ماہنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

November 2025





وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 46 No. 01 November 2025

Jumada Al-Awwal/Jumada al-Thani1447 AH

جلد: 46 شمارہ: 01 نومبر 2025ء

جمادی الاول/ جمادی الثانی: 1447ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:

SIRATE-MUSTAQEEM

20 Green Lane, Small Heath,

Birmingham B9 5DB

Tel: 0121 773 0019

Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk



نصیحت ایک مرد درویش کی !

مولانا عبدالهادي العمري

الحمد للہ مجھے یورپ کے باڈر اور یوکرین سے متصل فن لینڈ جانے اور وہاں سے سمندر پار ریاست استونیا ESTONIA پہنچنے کا اتفاق ہوا جو سوویت یونین رشیا سے آزاد ہونے والی ایک ریاست ہے۔اس کے نام سے بھی کم ہی لوگ واقف ہیں اور ریاست بھر میں پائی جانے والی اکلوتی مسجد میں جب قدم رکھا اس وقت مرد درویش کی نصیحت بہت یاد آئی، اگر چیکہ اس سے پہلے کئی بار اس نصیحت کے مضمرات ذہن کو کریدتے رہے کہ مجھے یہ نصیحت کیوں کی گئی تھی، ہمارے ہاں کشف وکرامات کی باتیں بہت کم ہوتی ہیں ،اس میں رطب ویابس کی اتنی بھرمار ہوئی ہے کہ ان باتوں کی طرف طبیعت آسانی سے مائل نہیں ہوتی ، لیکن رؤیاء صالحہ ،الہامی نوعیت کے اشاروں اور مردم شناسی کی صلاحیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے استاذ گرامی نمونۂ سلف مولانا عبدالسبحان اعظمی رحمہ اللہ جن کی وضع قطع اور چال ڈھال سے اسلاف کی جھلک نمایاں تھی، آپ شیخ الحدیث مولانا نعمان اعظمی رحمہ اللہ کے دوسرے فرزند تھے ، اٹھارہ برس کی عمر میں شمالی ہند مئو سے عمر آباد تشریف لائے، دار السلام سے سند فضیلت، مدراس یونیورسٹی سے ؟؟؟؟

برس کی عمر میں وفات پائی اور اسی قریہ میں اپنے والد گرامی کے پہلو میں مدفون ہیں۔ مختلف امتحانات پاس کرکے جامعہ ہی میں مدرس متعین ہوئے۔

مولانا نعمان اعظمی فاضل جلیل استاذ کبیر شیخ الکل علامہ نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ پایا اور اجازہ حدیث حاصل کی تھی، محدث دہلوی کے حلقہ درس میں شمولیت بجائے خود ایک اعزاز تھا۔ علماء اجلہ اور دانشوران ملت، بشمول مولانا ابوالکلام آزاد نے محدث دہلوی کی عظمت اور علمی مرتبہ کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا عبدالسبحان اعظمی پر پدری اثرات غالب تھے، آپ کا ذوق عبادت زبان زد خاص وعام تھا۔ اگر صحت ساتھ دیتی تو مسجد میں سب سے پہلے داخل ہوتے اور عموماً سب کے آخر میں نکلتے ، فرمان رسول ﷺ وقلبه معلق بالمساجد کی عملی تصویر تھے، ذکر واذکار کا اہتمام نہ صرف خود کرتے، اپنے شاگردوں کو بھی تلقین کیا کرتے بلکہ فضلائے جامعہ کو جو زمانۂ طالب علمی سے نکل کر کارواں زندگی کے دھارے میں شامل ہوچکے جو صاحب اولاد اور گردش لیل ونہار میں مصروف ہیں، انہیں بھی خط وکتابت میں تذکیر فرمایا کرتے کہ کشائش زندگی میں نہ چھوٹے تم سے آدابِ سحر خیزی اور لذت اذکار۔

سال 1977 جامعہ میں جشن طلائی کی تیاریاں عروج پر تھیں، مولانا ان تیاریوں کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے شاگردوں کو خاص وظائف واذکار کرنے کی تاکید کیا کرتے کہ ظاہری کوششوں اور تدبیروں کے ساتھ ساتھ مسبب الاسباب کی طرف توجہ رکھیے ، حقیقی کامیابی اسی وحدہ لاشریک کی توفیق سے ممکن ہے۔ بلاشبہ اس تاریخی جشن تعلیم کی کامیابی ٹھوس منصوبہ بندی، جہد مسلسل کے ساتھ دعاؤں اور انابت الی اللہ ہی کا نتیجہ رہی ہے، ورنہ عمر آباد جیسے قریہ میں اس عالمی نوعیت کے پروگرام کا انعقاد محال تھا۔

مولانا کے ذمہ حدیث کی مختلف کتابوں کی تدریس تھی، آخری سال کے طلبہ کو صحیح مسلم پڑھاتے، یہ بھی حسن اتفاق ہی ہے کہ مولانا کے والد گرامی شیخ الحدیث نعمان بھی صحیح مسلم پڑھاتے رہے اور ان کے فرزند شیخ انیس الرحمن بھی عرصہ تک یہی کتاب پڑھاتے رہے، یہ رب العالمین کی توفیق ہی سے ممکن ہے کہ ایک مشہور درسگاہ میں تین نسلوں تک حدیث کی اہم کتاب کی تدریس چلتی رہی۔

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

مولانائے محترم اپنے شاگردوں کو خارجی اوقات میں مختلف کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا کرتے، نہیں معلوم کہ یہ کوئی غیبی اشارہ تھا یا مولانا کی چھٹی حس کہ مجھے ایک کتاب کے مطالعہ کا حکم دیا، ”زوال روما“ میں نہیں جانتا کہ ہجوم طلبہ میں مجھے اس کتاب کے مطالعہ کا حکم کیوں دیا، جبکہ اس وقت ہماری جولان گاہ محدود سمٹی اور سکڑی ہوئی جیسے طالب علمانہ دور میں ہوسکتی ہے، اتنی ہی تھی اس وقت تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی یورپ پہنچوں گا وہاں کچھ دعوتی اور تعلیمی مواقع میسر آئیں گے، لیکن اللہ علیم وقدیر کی توفیق ہی سے یہ ممکن ہوا کہ یورپ پہنچا اور عام مقامات سے لے کر قصر شاہی بکنگھم پیلس میں جانے اور اصحاب حل وعقد کے ساتھ گفتگو کرنے کے مواقع ملتے رہے، وللہ الحمد

زمانہ قدیم میں روم جو کہ اٹلی کا دارالسلطنت ہے، سارے یورپ کے لیے مستعمل تھا، رومن امپائر کی وسیع وعریض حکومت شان وسطوت کی علامت تھی، اسی اعتبار سے رومن تہذیب ، رومی ثقافت عام اصطلاح تھی کہ محکوم قومیں حاکم قوتوں کی نقالی کرتی

ہیں۔

کہاوت مشہور ہے:

"الناس علی دین ملوکھم "

سورہ روم کی شان نزول کے مطالعہ سے اس کی حیثیت کو مزید سمجھا جاسکتا ہے۔

مولانا نے عمر لائبریری میں اس کتاب کی جگہ کی نشاندھی بھی کر دی کہ فلاں الماری کے فلاں شیلف میں یہ کتاب رکھی ہو گی ، دراصل یہ کتاب ایڈورڈ گبن Edward Gibban کی مشہور کتاب سقوط اور زوال روم کا خلاصہ تھی۔

THE HISTORY OF THE DECLINE AND FALL OF THE ROMANEMPIRE

مختلف لوگوں نے اس کتاب کے ترجمے اور خلاصے تیار کئے، مجھے یہ تو یاد نہیں کہ اس کے مترجم یا ملخص کون تھے اور نہ ہی اس زمانہ میں اس کی زیادہ اہمیت تھی، اس میں قوموں کے عروج و زوال کی داستان بیان کی گئی تھی، خصوصارومن امپائر کے زوال کے مختلف اسباب بیان کئے گئے، دینی، سماجی تنظیمی، معاشی اور معاشرتی وغیرہ، گویا عروج کسی قوم کا پیدائشی حق نہیں اور پستی اور نکبت کسی کی دائمی قسمت نہیں۔ کامیابی اور ترقی کے لیے حالات کو سمجھتے ہوئے ذاتی یا شخصی مفادات سے بالا تر ہو کر درست وسائل کو بروئے کار لانا ضروری ہوتا ہے۔

اقبال کے بقول:

آتجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سنان اول طاؤس و رباب آخر

ہمارے استاذ محترم مولانا حفیظ الرحمن اعظمی نے ایک مناسبت سے یہ شعر پڑھتے ہوئے کہا تھا۔ اقبال ایک شاعر ہی نہیں بڑے فلسفی بھی تھے ، قوموں کے عروج و زوال کا فلسفہ انہوں نے ایک ہی شعر میں نچوڑ کر رکھدیا۔

اگر قومیں وقت کی رفتار کو نہ سمجھیں تو باہمی چپقلش، ریشہ دوانیاں، معاشی بحران اور نظم و نسق کی کمزوری ان کی تباہی کا سبب بنتی ہیں، مجھے کئی بار دعوتی اور تعلیمی غرض سے اٹلی جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں ہم نے قدیم رومن تہذیب کے خدو خال بھی دیکھے اور سکڑی سمٹی ہوئی گلیاں بھی دیکھیں، جو آج بھی اپنے در و دیوار میں عظمت رفتہ کے نشانات چھپائے ہوئے ہیں۔ اور اٹلی کے جدید تیور بھی دیکھے جس میں دین اور عقیدہ کو یومیہ زندگی سے الگ کرنے کی روش عام ہے، ایسے کہ گویا ملکوں کی ترقی کی راہ میں مذہبی دیواریں ہی حائل ہیں، اگر انہیں گرا دیا جائے تو شاید ترقی کا پہیہ تیزی کے ساتھ حرکت کرے گا لیکن ان مذہبی دیواروں کو گرا کر بھی اٹلی کی معاشی کشتی سود کی تلاطم خیز موجوں اور گرداب سے نہیں نکل سکی، اس وقت اطالوی باشندوں کی اکثریت دین بیزار اور ملحدانہ نظریات کی حامل ہے، گو کہ کلچر کے طور پر نصرانیت کے ساتھ دینی وابستگی ظاہر کرتے ہیں، جس کا مشاہدہ تہوار یا خصوصی موقعوں پر ہی ہوتا ہے ، ورنہ یومیہ زندگی میں عوام کا کنیسا کے ساتھ تعلق نہیں، حالانکہ اٹلی کے دارالسلطنت روم کے مضافاتی محلہ وٹیکان جیسے ایک ریاست کا درجہ حاصل ہے۔ یہ رومن کیتھولک (ایک عیسائی) فرقہ کا عالمی مرکز ہے اور اس کا دینی رہنما دنیا کے ایک ارب سے زیادہ نصرانیوں کا روحانی پیشوا سمجھا جاتا ہے، لیکن بڑی آبادی کا دین سے تعلق بہت ہی معمولی نوعیت کا رہ گیا ہے، نصرانیت اور کنیسا متعدد گھروندوں میں بکھر چکی ہے، بعض علاقوں میں جاری ان کے مابین خونریز جھڑپیں اس کی واضح مثال ہے، چرچ آف انگلینڈ اور آئلینڈ کے درمیان ہونے والی لڑائیوں سے دنیا واقف ہے، مگر نہایت چالاکی کے ساتھ اس مذہبی منافرت کو سیاسی اور ریاستی اختلافات کے دبیز پردوں میں ڈھانکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ایک موقع پر مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے لیکچر کے بعد کسی سائل کی بے چینی کہ مسلمانوں میں بہت سے فرقے ہیں، ان سے تنگ آکر لوگ عیسائیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں، اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ اگر اختلافات سے بچنے کے لیے کوئی نصرانیت کا رخ کرے تو اسے وہاں شدید مایوسی کا سامنا کرنا ہو گا کیونکہ عیسائیوں میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ فرقہ واریت کی تلخیاں پائی جاتی ہیں۔

مذہبی منافرت کے علاوہ فرقہ وارانہ جھگڑے

Sectarian conflicts

سائنسی تحقیقات اور علمی ترقی کے مقابلہ میں کنیسا کا غیر منطقی کردار بھی ایک بڑا سبب ہے دین بیزاری کا، نتیجہ میں کنیسا کے اثر و رسوخ کو ختم کر کے اسے چند مذہبی رسوم تک محدود کر دیا گیا، آج مغربی یورپ کی بڑی آبادی کا دین کے ساتھ تعلق برائے نام سارہ گیا، لیکن افسوس کہ

مسلم دنیا بھی اس غلطی کا شکار ہوئی، جدید ترقیاتی دور کا باریک بینی سے جائزہ لینے کے بجائے جذباتی قسم کی باتوں میں الجھتے نظر آتے ہیں اور بعض رہنما زمانہ کی نبض سمجھے بغیر رائے زنی اور فتوی بازی میں عجلت پسندی کا مظاہرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں اور دوسری طرف ایک انتہاء ان مرعوب ذہنوں کی ہے، جن کا نعرہ ہی یہ ہے کہ

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی، اپنی عقل اور فہم ہی کو انہوں نے حق و باطل کا پیمانہ قرار دے لیا۔ ان دو انتہاؤں کے درمیان ہر دور میں کچھ ایسی ہستیاں بھی ہیں جو متوازن انداز اپناتے دکھائی دیتے ہیں، جنہوں نے اصول اور اساسیات دین پر قائم رہتے ہوئے جدید نافع سے استفادہ ضروری قرار دیا، اپنی افکار و آراء میں

توازن بر قرار رکھنے والا یہی طبقہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے، مگر اس راہ اعتدال کو اپنانے کے لیے علمی بصیرت کے ساتھ حالات زمانہ سے واقفیت، دور اندیشی اور طبیعت میں تحمل و برداشت نہایت ضروری ہے۔

مشہور ائمہ اور فقہاء رحمہم اللہ نے اس کا بہت پہلے اندازہ کر لیا تھا، امام مالک رحمہ اللہ کا قول:

" لا يصلح لآخر هذه الامة إلا بما صلح بها اولها."

یعنی متاخرین کی پریشانیوں کا حل متقدمین کی راہ کو اختیار کرنے میں ہے، یہ دراصل میزان ہے اور اسی کی روشنی میں اصول فقہ کا ایک قاعدہ ہے:

"مصالح مرسلہ" یعنی حالات زمانہ سے واقفیت اور حدود شریعت میں رہتے ہوئے لوگوں کی رہنمائی، امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی اصول کے پیش نظر اپنی بعض قدیم آراء اور فتاوی کو بدل دیا۔

مشہور اصطلاح ہے کہ

الرأی القدیم اور الرأی الجدید، لیکن بعد میں آنے والوں نے اس قاعدہ کو بر قرار رکھتے ہوئے اجتہاد و استنباط کے بجائے ان بزرگوں کے اقوال اور فتاوی کو تقدس کا درجہ دے دیا کہ

ان کے فرمودات سے سر مو تجاوز نہیں کیا جا سکتا،

اس کا نتیجہ واضح ہے کہ مساجد، جمعیات بلکہ مدارس دینیہ کی تقسیم اور باہمی خلفشار جو کہ تاریخ کا ناخوشگوار باب بن گیا اور گاہے گاہے آج بھی اس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔

بہر حال بات چل رہی تھی، یورپ میں مذہب بیزاری کی لہر کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

مذہبی شعائر اور دینی شخصیات کی بھی اکثر نصاریٰ کے ہاں اہمیت گھٹتی گئی، اگر کوئی لندن یا پیرس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرے یا سید ناموسیٰ علیہ السلام کی بے توقیری کرے تو وہاں موجود مسلمانوں کو ان توہین آمیز جملوں کی جو تلخی اور ناگواری محسوس ہوتی ہے، اس کا ادنی حصہ بھی اس مذہب کے مدعیوں کے ہاں دیکھنے میں نہیں آتا، اسی تناظر میں جب خاتم النبیین ﷺ کی شان میں بے ادبی کی جائے تو مسلمانوں میں پائی جانے والی بے چینی اور تڑپ کا درست ادراک بھی ان مغربی باشندوں کی اکثریت کو نہیں ہوتا، لیکن مسلم سماج مختلف عملی کوتاہیوں کے باوجود جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف جذباتی ہی نہیں دل و دماغ کے ساتھ والہانہ عقیدت کو جزو ایمان سمجھتا ہے گو کہ عملی کمزوریوں سے انکار نہیں۔

بہر حال کتاب کے مندرجات سے بڑھ کر ذاتی مشاہدات اور تجربات ان قوموں کے اخلاقی زوال اور مادی غلبہ کی شہادت کے لیے کافی ہے۔ جب استونیا کی مسجد میں قدم رکھا، قلبی کیفیت آنسوؤں کی شکل میں نکلتی رہی کہ کہاں دور افتادہ دیہات عمر آباد کا طالب علم اور کہاں سمندروں پار ملک کی اکلوتی مسجد میں درس۔ یہ ریاست بھی دنیا کی ایک سپر پاور کے تسلط سے آزاد ہو چکی ہے۔

جذبات کے ہیجان میں کیفیت کچھ ایسی تھی گویا کس بیم و رجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے ایک سمت شریعت ہوتی ہے، ایک سمت محبت ہوتی ہے، اس وقت استاذ گرامی کی نصیحت بہت یاد آئی۔

اللّٰهُمَّ اغفر لهم و ارحمهم وادخلهم في جنات النعيم

کہ مجھے کتاب زوال روما کے مطالعہ کا مشورہ کیوں دیا گیا تھا!

☆☆☆

دارورسن

دنیا سے حق پرست جو بیزار ہوگئے
اللہ کی رضا کے طلب گار ہو گئے
مشتاق جلوۂ رسن و دار ہوگئے
جو اپنا سر کٹانے کو تیار ہوگئے
غیروں کے جور و ظلم کا کیا کیجئے گلہ
اپنے ہی جب کہ در پئے آزار ہو گئے
بے قدریٔ ہنر ہے تو محسن کشی بھی ہے
کیسے یہ اپنی قوم کے ہنجار ہو گئے
ڈوبے ہوئے جو رہتے ہیں فسق و فجور میں
وہ اقتدار پاکے جفا کار ہو گئے
باہم ستیزہ کار و نبرد آزما ابھی
ظلماتِ جہل و کفر سے انوار ہوگئے
جو سوچتے رہے تو وہ ساحل پہ رہ گئے
منجدھار میں جو کود پڑے پار ہو گئے
میدان جنگ سے وہ کبھی ہٹ نہیں سکے
سر پر کفن جو باندھ کے تیار ہو گئے
اللہ کے باغیوں کا یہ ہوتا رہا ہے حشر
خوار و ذلیل برسرِ بازار ہوگئے
یارب! یہ کیا غضب ہے کہ مجرم ہیں بے گناہ
اور بے گناہ جو تھے گنہگار ہو گئے
پروردگار! ملت بیضاء کی لاج رکھ
اغیار پھر سے برسرِ پیکار ہو گئے
اصحاب حق جو دار پہ چڑھ کر بتا گئے
حماد پھر سے فاش وہ اسرار ہو گئے

ابولبیان حماد عمری رحمہ اللہ

☆☆☆



سورۃ الرحمن: ایک مختصر تعارف

مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی

مذکورہ بالا سورۃ کو "مدنی سورتوں میں شامل رکھا گیا ہے۔" لیکن علماء تفسیر بالعموم اس سورۃ کو مکی قرار دیتے ہیں۔ اس کی معقول وجہ یہ ہے کہ اس کا جو مضمون ہے وہ مدنی سورتوں کے بہ نسبت مکی سورتوں میں شامل مضامین سے ملتا جلتا ہے، اور یہ بھی کہ اس میں جو بیان آیا ہے اور جن چیزوں کا ذکر ہوا ہے اگر اس کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بھی صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ یہ سورۃ مکی دور کے ابتدائی حصہ میں نازل ہوئی ہوگی۔

مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمۃ، ربط سورت اور جملہ (فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا) کی تکرار کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ "اس سے پہلی سورت القمر میں زیادہ تر مضامین سرکش قوموں پر عذاب الٰہی آنے کے متعلق تھے اسی لئے ہر ایک عذاب کے بعد لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک خاص جملہ بار بار استعمال فرمایا ہے، یعنی

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ

اور اس کے متصل ایمان واطاعت کی ترغیب کے لئے دوسرا جملہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ

بار بار لایا گیا ہے۔

سورۃ الرحمن میں اس کے مقابل بیشتر مضامین حق تعالیٰ کی دنیوی اور اخروی نعمتوں کے بیان میں ہیں اسی لئے جب کسی خاص نعمت کا ذکر فرمایا تو ایک جملہ لوگوں کو متنبہ کرنے اور شکر نعمت کی ترغیب دینے کے لئے فرمایا:

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

اور پوری سورت میں یہ جملہ اکتیس مرتبہ لایا گیا ہے، جو بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے اور کسی لفظ یا جملے کا تکرار بھی تاکید کا فائدہ دیتا ہے، اس لئے وہ بھی فصاحت وبلاغت کے خلاف نہیں خصوصاً قرآن کریم کی ان دونوں سورتوں میں جس جملے کا تکرار ہوا ہے وہ تو صورت کے اعتبار سے تکرار ہے، حقیقت کے اعتبار سے ہر ایک جملہ ایک نئے مضمون سے متعلق ہونے کی وجہ سے مکرر محض نہیں ہے، کیونکہ سورۃ قمر میں ہر نئے عذاب کے بعد اس کے متعلق: (فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ) آیا ہے، اسی طرح سورۃ رحمن میں ہر نئی نعمت کے بیان کے بعد (فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ) کا تکرار کیا گیا ہے جو ایک نئے مضمون کے متعلق ہونے کے سبب تکرار محض نہیں، علامہ سیوطی نے اس قسم کے تکرار کا نام تردید بتلایا ہے، وہ فصحاء و بلغاء عرب کے کلام میں مستحسن اور شیریں سمجھا گیا، نثر اور نظم دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اور صرف عربی نہیں، فارسی، اردو وغیرہ زبانوں کے مسلم شعراء کے کلام میں بھی اس کی نظائر پائی جاتی ہیں، یہ موقع ان کو جمع کرنے کا نہیں، تفسیر روح المعانی وغیرہ میں اس جگہ متعدد نظائر بھی نقل کئے ہیں۔" (معارف القرآن)

علامہ ابن کثیر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ

"حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی، حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ شروع شروع رسالت کے زمانہ میں ابھی امر اسلام کا پوری طرح اعلان نہ ہوا تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں رکن کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ اس نماز میں اس سورت (الرحمن) کی تلاوت فرما رہے تھے اور مشرکین بھی سن رہے تھے۔ (اقتباس ابن کثیر؛ ترجمہ حضرت مولانا محمد جوناگڑہی)

سورۃ رحمان کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں انسانوں کے علاوہ دوسری بااختیار مخلوق، جنات کو بھی براہ راست خطاب کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم کی دیگر آیات کریمہ میں اگرچہ اس بات کی تصریحات موجود ہیں کہ "جن" بھی انسانوں کی طرح اللہ کے ہاں جواب دہ مخلوق ہے۔ جس طرح انسانوں میں اچھے، بُرے کافر و مومن لوگ ہوتے ہیں اسی طرح جنوں میں بھی کافر ومومن، انبیاء کرام وکتب آسمانی پر ایمان لانے والے۔ اور سرکشی کرنے والے سب ہی پائے جاتے ہیں۔

آیت کریمہ (13) سے انسان اور جن اِن دونوں مخلوقات سے یکساں مخاطب کیا گیا، یہ اس بات کی قطعی صراحت ہے کہ آنحضور اکی رسالت اور قرآن حکیم کی دعوت ان دونوں کے لئے ہے اور نبی کریم ﷺ صرف انسانوں کے لئے رسول بنا کر مبعوث نہیں فرمائے گئے بلکہ آپ ﷺ کی رسالت جنوں کے لئے بھی ہے۔ لیکن اس سورۃ کے ابتداء میں خطاب کا جورُخ انسانوں کی طرف ہے وہ اس لئے کہ زمین پر انسانوں کی حیثیت خلیفہ کی ہے، دوسری چیز یہ کہ جتنے بھی رسول مبعوث فرمائے گئے انسانوں ہی میں سے بابرکت بندوں میں سے ان کا انتخاب فرمایا گیا، اور جتنی بھی آسمانی کتابوں کو نازل فرمایا گیا انسانوں ہی کی زبانوں میں ان کا نزول ہوا۔ اس طرح یہ بات قرآن حکیم سے ثابت ہوتی ہے کہ سرکار دو

عالم ا انسانوں اور جنوں کے لئے یکساں رسول ﷺ بنا کر روانہ فرمائے گئے ، تاکہ آپ کی لائی ہوئی تعلیم اور آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر ہم چلیں اور خسران سے بچے رہیں۔

سورۃ کا آغاز بڑے ہی عالیشان انداز میں ہوتا ہے ، فرمایا :

(اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ)

نہایت مہربان (خدا) نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ دو ٹوک انداز میں اس بات کو واضح کر دیا گیا کہ یہ قرآن اور اس کی جو تعلیم ہے ، صرف اور صرف نہایت ہی مہربان ہستی (خدائے تعالیٰ کی) طرف سے نازل کردہ ہے 'لفظ' "رحمن" اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ محمد ﷺ کے قلب مبارک و مطہر پر اسے نازل کرتے ہوئے اللہ نے سراسر اپنے بندوں کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں پر ، اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان ہے ، یہ رحمت ہی کا تقاضا تھا کہ اس نے اپنی مخلوق کے لئے وہ علم عطا فرمایا جسے حاصل کرتے ہوئے لوگ دنیا میں حقانیت و راست روئی پر چلیں ، یہی وہ چیز ہے جس پر آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے۔ اس طرح یہ رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ اس تعلیم سے نوع انسانی کے لیے بہترین ہدایت و عمدہ تعمیر کا سامان فراہم کرے۔

آیت کریمہ 5 تا 6 میں اس بات کو واضح کر دیا گیا کہ یہ جو کائنات نظر آرہی ہے (اور جو چیزیں تمہاری نظروں سے اوجھل ہیں) ان سب کا منتظم اور فرماں روا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مثلاً سورج و چاند اور تارے یہ سب ایک حساب کے پابند ہیں۔

آیت کریمہ 7 تا 9 میں ایک اور حقیقت کی طرف رہنمائی کی گئی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کائنات کے نظام کو ٹھیک اور درست توازن کے ساتھ اور انصاف پر قائم فرمایا ہے ، اب اس میں بسنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے حدود و اختیارات میں حد سے تجاوز نہ کریں ، عدل ہی پر قائم ہوں اور توازن میں خلل نہ پیدا کریں۔

آیت 10 تا 25 سے ایک طویل بیان اس سلسلہ میں ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی اور اپنی نعمتوں کی اور اپنے کمالات و عجائب کا ذکر فرماتا ہے تاکہ عقل رکھنے والے ہوشمند درس حاصل کریں اور اپنے مالک حقیقی کو جانیں۔

آیت مبارکہ ک 26 تا 30 میں ایک اور اٹل حقیقت کو کھولکر بیان فرمایا کہ اس کائنات کی ہر چیز فانی ہے اور ہر ایک کو زوال ہے ، اور باری تعالیٰ اپنے متعلق یوں فرماتا ہے :

(وَيبقٰى وَجه رَبِّكَ ذُوالجلالِ وَالإكرام)

اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

یہاں بتلانا یہ مقصود ہے کہ خدا کے سوا کوئی غیر فانی اور لازوال نہیں ہے۔

آگے کی آیات 31 تا 32 میں جن و انس دونوں گروہ کو خطاب فرماتے ہوئے خبر دار کیا گیا کہ وہ وقت قریب ہی ہے جب تم سے (اعمال) کے متعلق باز پرس کی جائے گی اس وقت بھاگ کر کہیں نکل جانے کی کوئی راہ نہ پاؤ گے۔ اس بات کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے آیت 37 تا 38 میں فرمایا یہ باز پرس ، روز قیامت ہونے والی ہے۔

آیات کریمہ 39 تا 45 میں آخرت کے انجام کا نقشہ کھینچتے ہوئے مجرم و باغی ، جن و انس کو جھنجوڑا گیا اور یہ بتایا گیا کہ انکی اس وقت کس طرح بری حالت ہو کر رہیگی وہاں تم بھاگنے کی کوشش کروگے تو تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا جس کا مقابلہ کرنا تمہارے بس میں نہ ہو گا۔ اس وقت مجرمین سے کہا جائے گا کہ یہ وہی جہنم ہے جس کا تم انکار کرتے رہے ، جسے جھوٹ قرار دیتے تھے۔

آیت مبارکہ 46 سے ختم سورۃ تک اللہ کریم اپنے فرماں بردار بندوں کو اس بات کی خوشخبری سناتا ہے کہ وہ کس طرح جنت میں داخل فرمادیئے جائیں گے اور ان کو کن کن نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا اس کا تفصیلی ذکر ہوا اس سلسلہ کی ایک دلپسند چیز آیت 72 میں یوں بیان فرمائی گئی، جس کی تشریح فرماتے ہوئے

مولانا مودودی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ

(حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ)

خیموں میں ٹھہرائی ہوئیں حوریں۔ خیموں سے مراد غالباً اس طرح کے خیمے ہیں جیسے امراء و رؤساء کے لیے سیر گاہوں میں لگائے جاتے ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ اہل جنت کی بیویاں ان کے ساتھ ان کے قصروں میں رہیں گی اور انکی سیر گاہوں میں جگہ جگہ خیمے لگے ہوں گے جن میں حوریں ان کے لیے لطف و لذت کا سامان فراہم کریں گی۔ ہمارے اس قیاس کی بنا یہ ہے کہ پہلے خوب سیرت اور خوب صورت بیویوں کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد اب حوروں کا ذکر الگ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ ان بیویوں سے مختلف قسم کی خواتین ہوں گی۔

اس قیاس کو مزید تقویت اس حدیث سے حاصل ہوتی ہے جو حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یارسول اللہ، دنیا کی عورتیں بہتر ہیں یا حوریں؟ حضور نے جواب دیا:

دنیا کی عورتوں کو حوروں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو ابرے کو استر پر ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کس بنا پر؟ فرمایا:

اس لیے کہ ان عورتوں نے نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں اور عبادتیں کی ہیں۔"

(طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کی بیویاں تو وہ خواتین ہوں گی جو دنیا میں ایمان لائیں، اور اعمال صالحہ کرتی ہوئی دنیا سے رخصت ہوئیں۔ یہ اپنے ایمان و حسن عمل کے نتیجے میں داخل جنت ہوں گی اور بذات خود جنت کی نعمتوں کی مستحق ہوں گی۔ یہ اپنی مرضی اور پسند کے مطابق یا تو اپنے سابق شوہروں کی بیویاں بنیں گی اگر وہ بھی جنتی ہوں یا پھر اللہ تعالی کسی دوسرے جنتی سے بیاہ دیگا جبکہ وہ ایک دوسرے کی رفاقت پسند کریں۔ رہیں حوریں، تو وہ اپنے کسی حسن عمل کے نتیجہ میں خود اپنے استحقاق کی بناء پر جنتی نہیں بنیں گی بلکہ اللہ تعالی جنت کی دوسری نعمتوں کی طرح انہیں بھی اہل جنت کے لیے ایک نعمت کے طور پر جوان اور حسین و جمیل عورتوں کی شکل دے کر جنتیوں کو عطا کر دے گا تاکہ وہ ان کی صحبت سے لطف اندوز ہوں۔ لیکن بہر حال یہ جن و پری کی قسم کی مخلوق نہ ہوں گی، کیونکہ انسان کبھی صحبت ناجنس سے مانوس نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اغلب یہ ہے کہ یہ وہ معصوم لڑکیاں ہوں گی جو نابالغی کی حالت میں فوت ہو گئیں اور ان کے والدین جنت کے مستحق نہ ہوئے کہ وہ ان کی ذریت کی حیثیت سے جنت میں ان کے ساتھ رکھی جائیں۔ (تفہیم القرآن: 5 / 271 تا 272)

حضرت پیر کرم شاہ علیہ الرحمۃ ،حور اور خیمے کے بارے میں لکھتے ہیں

"حورٌ' جمع ہے۔ اسکا واحد حوراء ہے۔ ھی الشدیدۃ بیاض العین والشدیدۃ سوادھا۔ یعنی جس کی آنکھ کا سیاہ حصہ بہت زیادہ سیاہ ہو اور سفید حصہ بہت ہی زیادہ سفید ہو۔ "مقصورات فی الخیام" فرما کر انکے باحیا اور باشرم ہونے کا ذکر فرمادیا کہ وہ آوارہ پھرنے والیاں نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے خیموں میں جلوہ افروز رہتی ہیں۔ انکے ظاہری اور باطنی حسن وجمال سے ان کے خیموں کا گوشہ گوشہ معطر اور منور ہے۔ انکے گھر کی فضا خوشی اور مسرت سے معمور رہتی ہے۔" (ضیاء القرآن: 5 / 81 تا 82)

مختصر یہ کہ، اللہ تعالیٰ ان بندوں کو جنھوں نے شرک و کفر کی گندگی سے بچتے ہوے توحید خالص پر جمے رہے اور اپنے رب کے سامنے پیش ہونے اور جوابدہی کے احساس کے ساتھ زندگی گزاری ہوگی ایسے لوگوں کے لئے اللہ کی بنائی جنت میں جو نعمتیں مہیا کر رکھی ہے اور جو لذتیں تیار کی گئی ہیں یہ ایسی لازوال چیز ہوگی کہ انسان دنیا میں اس کا حقیقی تصور نہیں کر سکتے۔

یہ سب عظیم نعمتیں محض اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے متقی و پرہیز گار، خوش نصیب بندوں کو عطا کرے گا!

اب آخری بات یہ ہے کہ ایسے انگنت انعامات کے عطا کرنے والے، رب جلیل و مولی کریم اور بابرکت نام کی عظمت والی ہستی کے، پیغامِ حق کو جھٹلا کر فلاح پاؤگے۔۔؟ جسے داعی حق محمد ﷺ رسول اللہ ﷺ کے زریعہ سنایا جارہاہے۔

☆☆☆

قطعات

نیو کاسل میں ایک کروڑ پونڈ سے بنی مسجد اور کیمونٹی سنٹر جسے بانی مسجد حاجی مصطفیؒ نے مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ کے لیے وقف کر دیا ہے۔ جزاہم اللہ خیرا

'مصطفیٰ' نے وقف کی مسجد جمعیت کے لیے
تحفۂ نورانی ہے یہ ساری امت کے لیے
'باسط عمری' اور ہے ان کے رفیقوں کا کمال
زندگانی وقف کی حق کی اشاعت کے لیے

ہے یہ مسجد جمعیت توحید وسنت کی عظیم
اور لاکھوں پونڈ کے صرفے سے یہ مسجد بنی
نیو کاسل کے مصلّی دے رہے ہیں یہ دعا
رہے اللہ کے کرم سے تاقیامت یہ بنی

☆☆☆

مولانا شفیق الرحمٰن شاہین کے 'راچڈیل' میں چرچ خرید کر اسے مسجد میں تبدیل کرنے پر:

جب مولانا شاہین نے اک چرچ خریدا
پھر مرکز تثلیث کو توحید میں بدلا
حق کے لیے جن جن نے بھی اقدام کیا ہے
ہے اپنی دعا ان کو سلامت رکھے اللہ

☆☆☆

ڈاکٹر ذاکر نائیک عالمی مبلغ کے لیے

عبقری شخصیت ہے نائک اور خطیب بھی یکتا
جس نے ہندومت کو اور انجیل کو خوب کھنگالا
لاکھوں لوگوں کے ذہنوں تک کھل کے حق پہنچایا
ذاکر نائیک جیسا مقرر کوئی نہیں ہے اعلیٰ

☆☆☆

مولانا محمد عبد الکریم ثاقب المعروف برادر ثاقب کو پاکستانی گورنمنٹ سے تمغۂ امتیاز ملنے پر

کیمونٹی میں برادر ثاقب جب ممتاز ہو گئے
تو مستحق ستارۂ امتیاز ہو گئے
زندگی اپنی بسر کی قوم کی تعلیم میں
پاک وبرٹین میں مثل شاہین و باز ہو گئے

ڈاکٹر عبد الرب ثاقب ڈڈلی

☆☆☆



حدیث کی اہمیت اور ضرورت

پروفیسر سینیٹر ساجد میر رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و ثنا، شکر و تعریف، سب اللہ رب العالمین کے لیے ،جو خالقِ کل اور عالمِ کل ہے مالک الملک اور حقیقی الٰہ اور رب ہے۔ درود و سلام، صلاۃ وتسلیم سرورِ انبیاء کے لیے جو امام کائنات، رحمتِ کائنات اور سید کائنات ہیں۔

ہمارے دین اسلام کی دو بنیادیں ہیں۔ دو وہ چیزیں ہیں جن سے اسلامی شریعت کے احکام لیے اور معلوم کیے جاتے ہیں اور وہ کیا ہیں: ایک اللہ کا قرآن اور دوسری نبی اکرم ﷺ کی حدیث۔

آج ان شاءاللہ بات کریں گے حدیث کی کہ حدیث کیا ہے اس کی اہمیت کیا ہے اور اس کی ضرورت کیا ہے؟

سب سے پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھیں کہ جس طرح قرآن پاک اللہ کی وحی ہے، اسی طرح حدیث بھی اللہ کی طرف سے وحی ہے۔ نبی اکرم ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے تھے، دین کے بارے میں، اسلام کے بارے میں اور شریعت کے بارے میں، وہ اللہ کی طرف سے ہوتا تھا۔ اللہ آپ کے دل میں ڈالتا تھا اور آپ ﷺ اپنی زبان مبارک سے اس کو ادا فرماتے تھے۔ آپ کا بحیثیت رسول کے فنکشن اور کام صرف یہ نہیں کہ نعوذ باللہ اور خدانخواستہ ایک ڈاکیے کی طرح آپ اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیں اور آپ کا کام ختم۔ بلکہ اس پیغام کا مفہوم بتانا، معنی بتانا اور تقاضا بتانا یہ بھی آپ ﷺ کا کام تھا، جیسا کہ قرآن نے کہا:

﴿يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (سورة الجمعه: 2)

یہ نبی ﷺ آپ کو اللہ کی آیتیں پڑھ کے بھی سناتا ہے۔ لوگوں تک اللہ کی آیتیں اور قرآن کو بھی پہنچانا اور اس کی تعلیم دینا بھی، اس کی ذمہ داری ہے۔ کہ اس کے اندر حکمت کیا ہے؟ اس کے معنی کیا ہیں؟ اس کا مطلب کیا ہے؟ یہ سب بیان کرنا بھی منصب نبوت میں شامل ہے۔ رب العالمین نے یہی بات اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمائی، جو ابھی خطبہ مسنونہ کے ساتھ میں نے پڑھی تھی۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ ﴾ (سورة النحل: 44)

ہم نے یہ ذکر حکیم، یہ قرآن پاک آپ پر اس لیے نازل کیا ہے، تاکہ آپ اسے لوگوں کے لیے کھول کر، واضح کر کے بتائیں، لوگوں کو یہ بتائیں کہ ان کی طرف کیا اتارا گیا ہے؟ ان کی طرف قرآن کا حکم کیا آیا ہے؟ یہ بتانا، اس کا بیان کرنا بھی آپ کے ذمے ہے اور وہ بیان ہی حدیث ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے بعد کہ حدیث بھی وحی ہے جو دوسری بات سمجھنی اور ذہن میں رکھنی چاہیے، وہ یہ ہے کہ اس وحی کی پیروی بھی ضروری ہے۔ جس طرح قرآن والی وحی کی پیروی ضروری ہے، ان میں فرق کرنے کے لیے علماء نے قرآن کو 'وحی جلی' کہا ہے، یعنی ظاہر قسم کی وحی اور حدیث کو 'وحی خفی' کہا ہے کہ آپ کے دل میں خفیہ طریقے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے کوئی بات ڈال دی۔

وحی جلی یعنی قرآن کی طرح اس وحی خفی کی پیروی، اتباع اور اطاعت بھی ضروری ہے۔ قرآن سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً سورہ آل عمران میں جنگ بدر کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ﴾ (سورة آل عمران: 124)

”آپ جنگ بدر کے میدان میں مومنوں کو فرما رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ اچھا اور کافی نہیں ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔“

بعد میں فرمایا: ”پانچ ہزار فرشتوں سے۔“ یہ آپ ﷺ نے کیوں فرمایا؟ کیسے فرمایا؟ آپ ﷺ نے ایک غیبی بات کیسے بتا دی کہ عنقریب اے مسلمانو! صحابیو! تمہاری فرشتوں سے مدد ہونے والی ہے؟ قرآن میں تو یہ بات نہیں ہے۔ قرآن نے تو اس کی خبر دی ہے کہ یہ بات آپ نے فرمائی۔ یہ آپ کو اسی وحی کے ذریعے بتایا گیا، وہ وحی جو قرآن میں نہیں ہے۔ اس وحی کے ذریعے بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ ان مومنوں کی مدد کرنے والا ہے۔

پتہ چلا کہ وحی خفی بھی اسی طرح سر ماتھے پہ رکھنے اور پیروی کرنے والی چیز ہے جس طرح قرآن والی وحی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس وحی پر عمل ضروری ہے۔ اس کی ایک اور مثال سورۂ حشر میں ہے، اٹھائیسویں پارے کی سورۂ حشر میں، اس کے شروع میں ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ یہودیوں کے ایک قبیلے کو ان کی بد عملی، بغاوت اور غداری کی سزا دینے کے لیے نبی اکرم ﷺ صحابہ کی جماعت کے ساتھ گئے۔ وہ

محاصرے میں تھے لیکن ان کی فصلیں ان کے قلعے کے محاصرے کے باہر تھیں تو آپ نے حکم دیا کہ ان کھیتوں اور فصلوں کو کاٹ کے رکھ دو۔

قرآن کریم کے الفاظ ہیں :

﴿مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (سورة الحشر: 5)

یہ کام کرنے کے بعد شاید کچھ صحابہ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ عام حالات میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جنگ کی حالت میں بھی دشمن کی فصلیں، کھیتیاں، حتی الامکان نہ اجاڑو، ان کو برباد نہ کرو تو آج یہ حکم دیا کہ اس کو کاٹ دو۔ تو ہم نے کاٹ دیا، اب کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا ، یہ آپ ﷺ نے اپنی مرضی سے نہیں کہا بلکہ اللہ کے حکم سے کہا ہے۔

سوال یہ ہے اللہ کا یہ حکم کہاں ہے ؟ اللہ کے حکم ہونے کی بات تو کی جارہی ہے، اس کی خبر تو دی جارہی ہے، لیکن وہ حکم کہاں ہے، جس میں اللہ نے قرآن کے اندر فرمایا ہو کہ ان کھیتوں کو کاٹنا ہے، ان فصلوں کو اجاڑنا ہے۔ قرآن میں یہ بات کہیں نہیں ہے، بلکہ یہ بات آپ کی زبان مبارک سے نکلی، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ حدیث سے یہ بات نکلی اور اس کی بھی پابندی، پیروی اور اطاعت بھی صحابہ نے اسی طرح کی جس طرح وہ قرآن کی کرتے تھے۔

اس واقعہ اور اس آیت سے یہ بھی پتہ چلا کہ حدیث اسی طرح واجبِ اتباع ہے، جس طرح کہ قرآن پاک ہے۔ ان باتوں سے جو میں کر رہا ہوں، ان سے نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔ قرآن نے تو واضح کر دیا کہ رسول کی اطاعت اصل میں اللہ کی اطاعت ہے:

﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (سورة النساء: 80)

جو اللہ کے رسول کی مانے گا، وہ اصل میں اللہ کی مان رہا ہو گا۔

آپ کی ماننا اللہ کی ماننا ہے، کیونکہ آپ کی بات اپنی طرف سے نہیں، اللہ کی طرف سے ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ (سورة النجم: 3)

آپ جو کچھ فرماتے ہیں، وحی کی بنیاد پہ اللہ کے حکم سے فرماتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایک عورت مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آ کے کہتی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ عورتوں کو جسم گدوانے یعنی ان پر مستقل نشان بنانے سے منع کرتے ہیں، جیسا کہ کچھ لوگ جسم پر کالے یا نیلے رنگ کے مستقل نشان (ٹیٹو) بناتے ہیں اور منع کرتے ہوئے قرآن کا حوالہ دیتے ہیں کہ قرآن کی وجہ سے میں منع کر رہا ہوں۔ عورت نے کہا کہ میں نے تو سارا قرآن پڑھا ہے، مجھے اس میں کہیں ایسی بات لکھی ہوئی نہیں ملی۔ تو آپ قرآن کا حوالہ دے کر کیوں اس سے منع کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: تم نے قرآن پڑھا ہے لیکن سوچ سمجھ کے نہیں پڑھا۔ کیا تم نے وہ آیت پڑھی ہے، جس میں اللہ نے فرمایا ہے :

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾ (الحشر: 7)

جو اللہ کے رسول تمہیں دیتے ہیں، یعنی جس چیز کا حکم دیتے ہیں، جو چیز عطا کرتے ہیں بطور حکم، اس کو مانو، اس کو لے لو اور جس سے منع کرتے ہیں، اس سے منع ہو جاؤ۔

صحابیہ نے کہا، آیت تو پڑھی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ پھر آپ نے جس چیز سے منع کیا، سمجھ لو کہ وہ آپ منع نہیں کر رہے، اللہ منع کر رہا ہے اس لیے وہ تمہیں کرنی پڑے گی، اگر تم مسلمان ہو۔

حیرت ان لوگوں پر ہوتی ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث کی یعنی آپ ﷺ کے فرمان کی اور آپ ﷺ کے عمل کی، آپ کے نمونے کی اگر ضرورت تھی تو آپ کی زندگی میں تھی اور اب قرآن کو ہم آپ کے بغیر ایسے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ نہیں سمجھ سکتے۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے حدیث لازمی ہے۔ اس کے بغیر قرآن سمجھ میں نہیں آتا۔

اگر ہم صرف عربی زبان اور عربی لغت سے قرآن سمجھنے کی کوشش کریں تو کامیاب نہیں ہوں گے۔ عربی ایک وسیع زبان ہے اور اس کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنیٰ ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے یاد ہے کہ عربی کی ایک مشہور لغت 'لسان العرب' جو ہمارے آبائی کتب خانے میں موجود ہے، اس میں، میں نے 'الصلاۃ' کا مطلب دیکھا کہ یہ جو بار بار اللہ نے فرمایا:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ (سورة البقرہ: 43)

"صلاۃ قائم کرو۔"

تو 'صلاۃ' کہتے کسے ہیں؟ مجھے اس ایک لفظ 'الصلاۃ' کے بیس سے زیادہ، تقریباً بائیس معانی ملے اور ایک دوسرے سے بالکل مختلف۔

صلوۃ کا ایک معنی دعا کا ہے۔ تو ایک آدمی بیٹھے بیٹھے دعا کرے جس میں نہ رکوع ہو، نہ سجدہ ہو، نہ نماز کی باقی چیزیں ہوں، وہ کہے کہ میں نے دعا کرلی، تو میری صلاۃ ادا ہو گئی، بات ختم تو کیا اس کی نماز ادا ہو جائے گی ؟ ہرگز ادا نہیں ہو گی۔

ایک معنیٰ لکھا تھا، سردی میں آگ جلانا، آگ تاپنا، آگ سینکنا، ایک معنیٰ لکھا تھا آگ پر کباب بنانا، یہ بھی صلوۃ کا معنیٰ لکھا تھا۔ اب ایک آدمی سردی میں آگ بھی تاپتا ہے، سردی بھی دور کرتا ہے، کباب بناتا ہے، مزے اڑاتا ہے اور کہتا ہے جی میری صلاۃ ادا ہوگئی، نہیں ہو گی۔

ایک طرح کی گھڑ دوڑ کو بھی صلوۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مصلی نمازی کو بھی کہتے ہیں اور مصلی اس گھوڑے کو بھی کہتے ہیں جو ریس میں سیکنڈ آئے اور اس طرح سیکنڈ آئے کہ اس کا سر پہلے آنے والے گھوڑے کی گردن کے ساتھ لگا ہو، یعنی جسے انگریزی

میں Neck To Neck Race کہتے ہیں، یعنی پہلے اور دوسرے گھوڑے میں تھوڑا سا فرق بھی نہ ہو۔

اب ایک شخص ریس کھیلتا ہے، گھوڑے دوڑاتا ہے، اس میں اس کا گھوڑا سیکنڈ آتا ہے، پہلے کے قریب رہتا ہے، وہ کہتا ہے جی میں مصلی بن گیا، نمازی بن گیا، میری نماز اسی طرح ادا ہو گی تو کیا اس کی نماز ادا ہو جائے گی؟ نہیں ہو گی۔ کیسے ہو گی؟ نماز تو اس وقت ادا ہو گی، جب وہ اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان پر عمل کرے گا:

«صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ» (صحیح بخاری:631) ”نماز اس طرح ادا کرو جس طرح میں نے ادا کی ہے، جس طرح میں نے سکھائی ہے۔“

اسی طرح زکوٰۃ کی مثال ہے۔ زکوٰۃ کہتے ہیں پاکیزگی کو، زکوٰۃ کا لغوی معنیٰ اور مطلب پاکیزگی ہے۔ اب کس چیز کی پاکیزگی؟ جگہ کی پاکیزگی؟ جسم کی یا لباس کی پاکیزگی؟ کس چیز کی پاکیزگی؟ قرآن کو دیکھیں تو اس میں ایک مقام پہ سورہ مریم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کچھ خوبیاں اور ان کے کچھ فضائل بیان کیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا 0 وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا﴾ (سورہ مریم: 12-13)

”ہم نے یحییٰ کو چھوٹی عمر میں فیصلے کرنے کا فن اور گُر بتا دیا، یہ فن چھوٹی عمر میں ہی انہیں عطا کر دیا۔ آگے اور کیا دیا؟ طبیعت میں نرمی دی، شفقت دی، مہربانی سکھائی اور زکوٰۃ دی۔“

تو کیا اللہ تعالیٰ نے ان معنوں میں وہ زکوٰۃ ادا کی، جو ہم اپنے مال سے ادا کرتے ہیں؟ نہیں، یہاں زکوٰۃ کا اصل معنیٰ اور ہے، یعنی پاکیزگی، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پاکیزگی بھی عطا کی، کردار کی پاکیزگی۔ تو زکوٰۃ کا معنی پاکیزگی ہے، لیکن حدیث نے بتایا کہ وہ زکوٰۃ جس کا حکم اللہ تعالیٰ دے رہا ہے، اس سے مراد مال کی پاکیزگی ہے اور مال کی پاکیزگی کس طرح ہوتی ہے؟ کتنے مال میں سے کتنا دے دیں تو مال پاک ہو جاتا ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ یہ قرآن نہیں بتاتا، یہ حدیث بتاتی ہے۔ قرآن نے اس کے مسائل ضرور بتائے کہ فلاں فلاں آٹھ جگہ پہ تم اسے خرچ کر سکتے ہو، باقی تفصیل حدیث میں ہے، کتنا سونا ہو؟ کتنی چاندی ہو؟ کتنا مال ہو؟ کتنے جانور ہوں؟ کتنی پراپرٹی ہو؟ تو اس میں سے کیا اور کتنا دیا جائے گا؟ یہ قرآن نہیں بتاتا، یہ حدیث بتاتی ہے۔

پتہ چلا کہ حدیث قرآن کی تفصیل ہے، تفسیر ہے، بیان ہے اور وضاحت ہے۔ قرآن کو سمجھنا ہے تو حدیث کا سہارا لازمًا لینا پڑے گا، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

حدیث کی اہمیت اور ضرورت کے حوالے سے اگلی بات یہ کہ بعض آیاتِ قرآنی کو اس وقت تک پوری طرح سمجھا نہیں جا سکتا، جب تک حدیث نہ پڑھی جائے۔ حدیث کا سہارا نہ لیا جائے، اس لیے کہ ان کا ایک پس منظر ہوتا ہے، ان کی ایک Background ہوتی ہے۔

آیات کی شان نزول ہوتی ہے کہ وہ آیات آئیں تو کس ماحول میں آئیں، کس وجہ سے آئیں؟ اس پس منظر کو حدیث واضح کرتی ہے، یہ بھی حدیث کی ایک ضرورت ہے قرآن سمجھنے کے لیے۔ مثلاً قرآن نے کہا:

﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ (سورة التوبه: 40)

اللہ اپنے دو خاص بندوں کا ذکر فرما رہا ہے، جو غار میں تھے۔

کس غار میں تھے؟ بندے کون تھے؟ ان کے حالات کیا تھے؟ آج تو بچہ بچہ جانتا ہے کہ ان سے مراد نبی اکرم ﷺ اور ان کے یارِ غار، رفیق خاص سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں، لیکن یہ کہاں سے پتہ چلا؟ قرآن سے نہیں، اس کا پس منظر، اس کی تفصیل، اس کی شان نزول حدیث نے بتائی۔ قرآن نے اس تفسیر کو نہیں بیان کیا، اس سے پتہ چلا کہ آیتوں کے Background کو سمجھنے کے لیے حدیث کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اٹھائیسواں پارہ آپ دیکھیں:

﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا﴾ (سورة المجادله: 1)

اللہ تعالیٰ نے اس خاتون کی، اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے تکرار کر رہی تھی، ایک معاملے میں بات کر رہی تھی اور اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھی۔ یہ کون عورت تھی؟ اس کی شکایت کیا تھی؟ اس کا مسئلہ کیا تھا؟ اس کا معاملہ کیا تھا؟ قرآن یہ نہیں بتاتا۔ اگلی آیتیں پڑھیں تو کچھ نہ کچھ پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ کیا تھا، لیکن اس کی پوری تفصیل قرآن سے معلوم نہیں ہو گی، بلکہ حدیث سے معلوم ہو گی۔

اس کے بعد اگلی بات یہ ہے کہ صرف اور صرف لغت اور Dictionary کا سہارا لینے والا قرآن کو سمجھنے کے حوالے سے کئی مقامات پہ مشکل میں پڑے گا۔ قرآن نے دوسرے پارے کے شروع میں قبلے کی تبدیلی یا تحویل قبلہ کے حوالے سے کہا ہے:

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (سورة البقره: 149)

لفظی معنیٰ بنتا ہے، جہاں سے بھی آپ نکلیں، اے نبی! یا اے قرآن کے پڑھنے والے! جہاں سے بھی تم نکلو، اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کر لو۔

لغت کے اعتبار سے ان الفاظ کو پڑھ کے ظاہری او رلفظی معنیٰ سے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ جہاں سے بھی نکلو، گھر سے نکلو یا کہیں اور سے جہاں بھی جانا ہو، تمہارا رخ قبلے کی طرف ہونا چاہیے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، نہ ایسا ہو سکتا ہے، یہ صرف نماز کی بات ہے تو معلوم ہوا کہ لفظی معنوں پہ جائیں تو کہیں کے کہیں

پہنچ جائیں گے۔ حدیث کی روشنی میں دیکھیں گے تو صحیح نتیجے پر پہنچیں گے۔ اسی طرح قرآن نے کہا:

﴿ يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (سورة الأعراف: 31)

نماز کے وقت اپنی زینت لے لو، اختیار کرلو، اوڑھ لو۔ زینت لباس کو بھی کہتے ہیں، زیور کو بھی کہتے ہیں اور آرائش کو بھی کہتے ہیں تو یہاں ان میں سے کیا مراد لیں گے؟ ظاہر ہے لغوی معنوں پر جائیں گے تو کہیں اور پہنچ جائیں گے۔ صحابہ جو زبان دان تھے، جو عرب تھے، وہ بھی حدیث کے بغیر صرف زبان دانی کی بنیاد پہ قرآن کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے تھے اور اس کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ مشہور واقعہ ہے، آپ نے علماء سے رمضان کے حوالے سے سنا ہوگا، سورہ بقرہ میں آتا ہے، جس میں سحری کے اختتام کا وقت بتایا گیا کہ کا سحری کب ختم ہوتی ہے؟ فرمایا:

﴿حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (البقرہ: 187)

جب سفید اور کالا دھاگہ الگ نظر آنے شروع ہو جائیں۔

ایک صحابی نے یہ آیت سن کے اہتمام کیا کہ اپنے تکیے کے نیچے رات کو دھاگہ رکھا، ایک کالے رنگ کا رکھا، ایک سفید رنگ کا۔ صحابی رات بھر اٹھ اٹھ کے تکیہ اٹھا کے دیکھتے رہے، ان کا خیال تھا کہ اندھیرے میں کالے اور سفید دھاگے کو جب میں پہچان لوں گا تو وہ سحری کا وقت ہو گا۔ صبح اٹھ کے بات کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ دھاگے نہیں ہیں، ان سے مراد آسمان میں وہ لکیریں ہیں جو صبح سحری کے اختتام کے وقت کالی اور سفید الگ نظر آتی ہیں۔ صحابی بھی صرف زبان دانی کی بنا پر قرآن کے ان الفاظ کو نہیں سمجھ سکے۔

چور کی سزا کے بارے میں قرآن نے کیا کہا؟ فرمایا:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ (سورة المائدة:38)

چوری ثابت ہو تو ان کا ہاتھ کاٹ دو۔ عورت ہو یا مرد ہو۔ چور ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔

اب ہاتھ کہاں سے کاٹیں؟ عربی زبان کے مطابق تو انگلیوں سے لے کے کندھے تک 'ید' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تو کیا کندھے سے کاٹیں؟ کہنی سے کاٹیں؟ یا صرف ہاتھ کا اگلا پنجہ کاٹیں، یہ قرآن نہیں بتائے گا۔ اس کو سمجھنے کے لیے حدیث کی ضرورت ہے، وہی بتائے گی کہ ہاتھ کہاں سے کاٹنا ہے۔

تو حدیث کیا ہے؟ قرآن کی تفسیر ہے، توضیح ہے، اس کی وضاحت ہے لیکن اگلی بات یہ ہے کہ حدیث خود دینی احکام کا، احکام شریعت کا ایک مستقل Source اور منبع ہے۔ قرآن میں کوئی بات نہ بھی آئی ہو، حدیث میں آئی ہو تو پہلے بھی میں کہہ چکا کہ وہ بھی اسی طرح قابلِ اطاعت اور قابل اعتبار ہے یعنی احکامِ شریعت کو معلوم کرنے کا حدیث ایک مستقل Source ہے، قرآن کی طرح ایک مستقل ذریعہ ہے۔

اس کی مثال، سورۂ جمعہ، قرآن پاک کی مشہور سورتوں میں سے ہے۔ اٹھائیسویں پارے کی سورت ہے، اس کے آخری رکوع کی آیات واضح طور پہ بتا رہی ہیں کہ ان آیات کے آنے سے پہلے جمعہ جاری تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جمعہ شروع ہو چکا تھا، آیات بعد میں آئیں، جمعہ اس سے پہلے جاری تھا۔ کیسے پتہ چلتا ہے؟

﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ (سورة الجمعه: 9)

اور اس سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ جمعہ ہو رہا تھا کہ خرید و فروخت کا مسئلہ آگیا، اناج باہر سے آیا تھا، لوگوں کو اناج کی ضرورت تھی، جمعہ کے کچھ نمازی اٹھ کے باہر چلے گئے کہ جو غلہ فروخت ہو رہا ہے، وہ ختم نہ ہو جائے، ہم فوراً خرید لیں، تب اللہ نے فرمایا:

﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ﴾ (سورة الجمعه: 11)

آپ کو، اے نبی! انہوں نے خطبے کی حالت میں کھڑے کا کھڑا چھوڑ دیا اور چلے گئے۔ فرمایا آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ پتہ چلا جمعہ ہو رہا تھا۔ اب کس کے حکم سے ہو رہا تھا؟ پورے قرآن کو دیکھیں، جمعہ شروع کرنے کا اور جمعہ پڑھنے کا حکم جو کہ مسجد نبوی میں ہو رہا تھا، ان آیتوں کے آنے سے پہلے وہ حکم کہیں بھی آپ کو نہیں ملے گا۔ وہ کہاں سے آیا؟ نبی اکرم ﷺ کی حدیث سے آیا، آپ کی زبان مبارک سے آیا، آپ نے ارشاد فرمایا، آپ نے عمل کیا، اس طرح جمعہ ہونا چاہیے۔

اسی طرح تحویل قبلہ کا میں نے پہلے بھی حوالہ دیا، یہاں بھی اس کی بات آتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جب مدینے ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی، صحابہ کرام بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ مکے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں، لیکن اپنے طور پہ کر نہیں سکتے تھے، اللہ کے حکم کا انتظار تھا۔ خواہش تھی، دعا تھی، آسمان کی طرف رخ کر کے خواہش کا اظہار کرتے تھے۔ رخ اس وقت مکے کی طرف پھیرا، جب نماز میں اللہ کا حکم آیا:

﴿ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ﴾ (البقرہ: 144)

اب سوال یہ ہے کہ بیت المقدس سے رخ پھیرنے کا حکم تو واضح ہے، اللہ نے حکم دے دیا ہے، قرآن میں آگیا کہ اب مکے کی طرف منہ کر کے، بیت الحرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ سوال یہ ہے کہ بیت المقدس کی طرف جو منہ کرتے تھے، وہ حکم قرآن میں کہاں ہے؟ وہ قرآن میں کہیں بھی نہیں ہے لیکن اسے بھی اللہ تعالیٰ اپنا حکم قرار دے رہا ہے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے حکم کے تحت حدیث کے حکم کے مطابق بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے۔

پتہ چلا کہ حدیث بھی اسی طرح قابل عمل اور واجب الاتباع ہے جس طرح کہ قرآن پاک ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی واضح ہونی چاہیے کہ حدیث کی جتنی بھی قسمیں ہیں، وہ سب کی سب قرآن سے Supported ہیں۔ قرآن ان کی تائید کرتا ہے، قرآن ان کو واضح بھی کرتا ہے اور ان کو ثابت بھی کرتا ہے۔ کون سی قسمیں ہیں؟ محدثین نے حدیث کی تین بڑی قسمیں بیان کی ہیں: حدیث قولی ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ نے جو ارشاد فرمایا، آپ کا قول، آپ کا ارشاد، آپ کی زبان سے، آپ کا فرمان زبانی یا قولی حدیث ہے۔ حدیث عملی وہ ہوتی ہے، جو آپ ﷺ نے عمل فرمایا اور صحابہ نے نوٹ کیا اور آگے امت تک پہنچایا، وہ بھی حدیث ہے۔ اسی طرح حدیث تقریری ہوتی ہے جو عمل آپ کے سامنے ہوا اور آپ اس پر خاموش رہے، اس کی تردید نہیں فرمائی۔ اب ان تینوں کے ثبوت قرآن سے کیا ہیں؟ جہاں تک قولی اور زبانی حدیث کا تعلق ہے، قرآن نے کہہ دیا: ﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴾(سورة النجم: 3)"آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہماری طرف سے ہوتا ہے۔"

ایک صحابی ہیں، جو خود بھی صحابی ہیں اور صحابی کے بیٹے ہیں، سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما، ان کی عادت تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں جو کچھ سنتے، وہ لکھ لیتے۔ بعض دوستوں نے کہا کہ ایسا نہ کیا کرو، آپ نبی تو ہیں لیکن قرآن کے بتائے ہوئے عقیدے کے مطابق بشر بھی ہیں۔ تو بشر ہونے کے، انسان ہونے کے ناطے مختلف بندے کی کیفیات ہوتی ہیں، کبھی خوش ہوتا ہے، کبھی غم میں ہوتا ہے، کبھی افسوس میں ہوتا ہے، کبھی کسی اور Mode اور کیفیت میں ہوتا ہے، کبھی پریشانی میں ہوتا ہے، تو ہر بات نہ لکھا کرو۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ہدایت اور رہنمائی چاہی اور کہا کہ میرے دوست اس طرح کہتے ہیں، مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک، اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

«اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ مَا خَرَجَ مِنْهُ إِلّا الحَق» (مسند احمد:6802)

"عبد اللہ، میری باتیں لکھتے رہو۔"

یہاں سے جو بات نکلتی ہے، وہ سچی ہوتی ہے تو جو قولی حدیث ہے، اس کی تائید بھی قرآن میں ہے، بات اللہ کے بندے کے منہ سے نکل رہی ہے، لیکن وہ اللہ کی بات ہے اور یہاں یاد رکھیں کہ اللہ کی ذات اور نبی کی ذات بالکل الگ ہیں۔ ان میں جو فرق ہے، اس کو ہمارا محاورہ بھی صحیح طور پہ ادا اور بیان نہیں کر سکتا کہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اس سے بھی کہیں زیادہ فرق ہے، ذات بالکل الگ ہے۔ اللہ معبود ہے، آپ عابد ہیں، اللہ مسجود ہے، آپ ساجد ہیں، اللہ رب ہے۔ آپ بندے ہیں اور اپنی بندگی کا آپ نے بار بار اظہار کیا ہے، ایک سفر میں پانی ختم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: تھوڑا بہت پانی پیالے میں کچھ پانی موجود ہے تو وہ لے آو۔ ایک پیالے میں پانی لایا گیا، آپ نے اپنی مبارک مقدس انگلیاں اس میں ڈبوئیں اور پھر اس چھوٹے پیالے سے لوگوں نے اپنی بالٹیاں بھر لیں اور دیکھنے والوں نے کہا، ہم نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کو اللہ تعالی نے چشمے اور نہریں بنا دیا۔ آپ کی انگلیوں سے پانی اس طرح بہہ رہا تھا جس طرح نہروں میں پانی بہتا ہے۔

اس موقع پہ بھی، اس حیران کن معجزے کے وقت بھی آپ نے اپنی زبان سے کیا فرمایا؟ آپ ﷺ نے کہا: اللہ اکبر میری طرف نہ دیکھو، یہ میرا کام نہیں، یہ اللہ کی قدرت ہے۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں۔ اس کا رسول ضرور ہوں لیکن اس کا بندہ ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنی بندگی کو خود بھی تسلیم کیا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ بندگی کے باوجود جو یہاں سے، اس زبان سے نکلتا ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ بندہ بیان کرتا ہے، لیکن بات اللہ کی کہتا ہے۔ تو میں یہی کہہ رہا تھا کہ آپ کی بات اور اللہ کی بات ایک ہے، ذاتیں مختلف ہیں۔ ذات میں بہت فرق ہے، بات ایک ہے۔

بات دونوں کی ایک ہے۔

یہ حدیث قولی کی بات تھی، حدیث فعلی کی مثال قرآن سے دیکھیے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (سورة الممتحنه: 21)

حدیث فعلی کی دلیل آگئی قرآن میں کہ آپ کا نمونہ عمل بہترین ہے۔ اس کو follow کرو، اس کے پیچھے لگو، اس کو اختیار کرو اور تقریری حدیث کیا ہوتی ہے؟ کہ آپ کے سامنے کوئی کام ہوا، کوئی بات ہوئی، آپ نے بول کر نہیں لیکن خاموش رہ کے اس کی تائید کی۔ قرآن کہتا ہے: ﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ﴾(سورة البقرة:119)

ہم نے آپ کو بشیر اور نذیر ڈرانے والا اور خوشخبریاں دینے والا بنا کے بھیجا ہے۔ مولوی کسی غلط بات پہ خاموش رہ سکتا ہے، حاکم کسی غلط بات پہ خاموش رہ سکتا ہے لیکن اللہ کا بھیجا ہوا، اللہ کا بنایا ہوا نذیر خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس کے سامنے غلط بات ہو، تو وہ اس کی لازماً تردید کرے گا، اسے لازماً منع کرے گا، تو اس سے پتہ چلا کہ آپ کی جو تقریری حدیث ہے یعنی آپ کے سامنے کوئی کام ہوا، آپ نے خاموش رہ کے اس پہ مہر لگائی، اس کی مذمت نہیں کی، اس کی تردید نہیں کی، اس کی نفی نہیں کی، وہ بھی حدیث بن گئی۔ اس کی تائید بھی قرآن سے ہو گئی۔

اب اگلی بات یہ ہے کہ یہ تو حدیث کی فکری، نظری اہمیت کی باتیں تھیں۔ اصولی باتیں تھیں۔ عملی طور پہ قدردانوں نے حدیث کی کیا قدر کی ہے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ وہ خود پندرہ سو سے زیادہ حدیثوں کے راوی ہیں لیکن ایک حدیث کے بارے میں انہیں پتہ چلا۔ حدیث کا مفہوم انہیں پتہ تھا، لیکن انہیں معلوم ہوا کہ ان کے ایک ساتھی جو اب مدینہ چھوڑ کے شام میں جا بسے ہیں اور ان کا نام عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہے، وہ حدیث ان کے پاس ہے۔ اصل الفاظ ان کے پاس ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس

ایک حدیث کے الفاظ جاننے کے لیے اونٹ خریدا، Special ایک ماہ تک میں اس پر سفر کر کے عبد اللہ بن انیس کے پاس شام پہنچا۔ انہوں نے میرا استقبال کیا، مل کے بڑے خوش ہوئے، انہوں نے کہا کہ میں اس مقصد کے تحت آیا ہوں کہ فلاں حدیث جو آپ کے پاس ہے اس کے اصل الفاظ مجھے بتائیں۔ یہ تھے حدیث کے قدردان۔ یہ سمجھتے تھے کہ حدیث کی اہمیت اور عظمت کیا ہے؟

اسی طرح ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان، مدینے میں اولین میزبان، انہیں بھی اسی طرح ایک حدیث کا پتہ چلا جو عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی، جو مصر جا چکے تھے۔ تو یہ صرف ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لیے مدینے سے مصر پہنچے۔ یہ حدیث کے قدردان تھے اور یہ حدیث کی اہمیت ہے۔

جامع بیان العلم ایک کتاب ہے، جس میں علماء کے اور بڑے لوگوں کے واقعات درج ہیں۔ اس میں یہ واقعہ موجود ہے۔

اب حدیث کی اہمیت کو نہ جاننے والوں کی بات کر لیں۔ منکرین حدیث جو حدیث کا انکار کرتے ہیں یا اس کی قدر نہیں پہچانتے، انہوں نے اعتراض کیا کہ جی حدیثیں تو جعلی بھی ہیں، موضوع بھی ہیں، ضعیف بھی ہیں، تو کیوں آپ حدیث کی اہمیت پر اتنا زور دیتے ہیں کہ اس کے بغیر قرآن نہیں سمجھا جا سکتا؟ تو بات یہ ہے کہ اگر Market میں جعلی نوٹ اور جعلی سکے چل رہے ہوں تو کیا اصلی سکوں کو پھینک دیں؟ ان کو دریا برد کر دیں؟ جعلی سکے آ جانے سے اصلی سکوں کی اہمیت ختم تو نہیں ہوتی۔ صرف پہچان کی ضرورت ہوتی ہے اور پہچان کے لیے محدثین پر اللہ تعالیٰ رحمتیں فرمائے، انہوں نے طریقے بتا دیئے ہیں، اصول وضع کر دیئے ہیں کہ صحیح اور ضعیف حدیث میں پہچان کیسے ہو سکتی ہے اور ان میں امتیاز کیسے ہو گا۔

اسی طرح یہ کہا جاتا ہے کہ جی حدیث سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ ہر فرقے کے لوگ، مختلف طرح کے لوگ اپنی اپنی تائید میں کوئی نہ کوئی حدیث لے آتے ہیں۔ تو یہ بات تو قرآن کے متعلق بھی کی جا سکتی ہے۔ قرآن کی آیتیں بھی لوگ اپنے اپنے مقصد کے لیے غلط یا صحیح Quote کر دیتے ہیں۔ حدیث اختلاف پیدا نہیں کرتی، حدیث اختلاف ختم کرتی ہے۔ حدیث پر آ جائیں تو اختلافات مٹ جاتے ہیں۔

حدیث کی اہمیت کو نظریاتی طور پر ماننے کی حد تک مسلمانوں کے سارے فرقے مانتے ہیں، سارے مسلک مانتے ہیں لیکن عملاً جب اس کے اطلاق کا اور اپلی کیشن کا وقت آتا ہے تو پھر کئی فرقے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ سارے اس بات پہ اتفاق کرتے ہیں کہ قرآن کے بعد حدیث ہی دوسرا منبع اور دوسرا ذریعہ اور Source ہے، احکام شریعت کا۔

حدیث کی کتابوں کے بارے میں بھی کم از کم اہل سنت کے تمام مسالک کے اندر اتفاق ہے کہ کون سی کتابیں معتبر ہیں، بخاری اور مسلم کی اہمیت اور صحت پر سارے متفق ہیں۔ تو اگر متفق ہیں تو پھر جس طرح قرآن کے مطابق چلنے کی کوشش کرتے ہیں، اس سے احکام لیتے ہیں، اسی طرح حدیث اور بخاری اور مسلم کے مطابق اپنی زندگیاں بنا لیں، اپنے عمل بنا لیں۔ اس پر جس طرح نظریاتی طور پہ اتفاق ہے، عملی طور پہ اتفاق کر لیں تو اختلاف مٹ جاتے ہیں۔

تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ کس طرح حدیث نے اختلافات کو ختم کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اختلاف ہوا کہ آپ کو دفن کہاں کرنا ہے؟ مدینے میں؟ مکے میں؟ یا بیت المقدس میں؟ کہاں دفن کرنا ہے؟ یہ اختلاف بھی ہوا کہ آج آپ کے بعد خلیفہ کون بنے گا؟ یہ اختلاف بھی ہوا کہ منکرین زکوٰۃ یعنی زکوٰۃ نہ دینے والوں سے کیا سلوک کرنا ہے؟ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو، آخری عمر میں، آخری دنوں میں آپ نے سرحد پر جانے کے لیے تیار کیا تھا۔ اس کے بارے میں اختلاف ہوا کہ اس کو اب بھیجنا ہے یا نہیں بھیجنا۔ یہ سارے اختلافات حدیث کی رو سے طے ہوئے۔ آپ کو دفن کہاں کرنا ہے؟ حدیث اس سلسلے میں سامنے آئی کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے، وہیں دفن ہوتا ہے، بات ختم ہو گئی۔

خلافت کے بارے میں حدیث سامنے آئی ہے:

"اَلْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ" (مستدرك حاكم: 6962)

عرب کے قبیلے، سوائے قریش کے کسی اور کی سیادت اور خلافت تسلیم نہیں کریں گے، اس حدیث نے معاملہ طے کیا۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ پہ بات آئی، وہ بھی حدیث کی روشنی میں آپ کے جو فضائل ہیں اور آپ کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہمیت دی ہے اور نماز وغیرہ میں آگے کیا ہے، اس حوالے سے آپ کی خلافت پر اتفاق ہوا۔ مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں بھی ابو بکر نے کہہ دیا کہ جو زکوٰۃ، حتیٰ کہ جانور کے گلے میں جو رسی ہوتی ہے، وہ بھی لوگ اگر پہلے دیتے تھے تو اب میں ان سے لوں گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے رہے۔ یہ بھی حدیث کے ذریعے طے ہوا۔ لشکرِ اسامہ کے حوالے سے بھی طے ہوا کہ چونکہ یہ آپ کا حکم ہے، اس لیے لشکر بھیجنا چاہیے لازماً۔

تو حدیث نے اسلامی تاریخ کے ابتدائی زمانے ہی سے اپنا یہ کردار ادا کیا ہے، اختلافات کو مٹانے کا اور طے کرنے کا کردار ادا کیا ہے اور آج بھی کر سکتی ہے، جیسا میں نے کہا کہ

عملی طور پہ حدیث پہ آ جائیں، قرآن کے ساتھ، حدیث پہ آ جائیں تو اختلافات مٹ جائیں گے۔ تو آج یہ حدیث کی اہمیت، فضیلت، عظمت اور ضرورت کے بارے میں چند باتیں تھیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حدیث کی اہمیت کو سمجھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا بنائے۔ آمین

☆☆☆



تاثیر کو معتدل کرنے کے لیے گرم اور ٹھنڈی چیز ملا کر کھانا

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ.

(صحيح بخاري، كتاب الأطعمة، باب الرطب بالقثاء: 5440-صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب أكل القثاء بالرطب: 2043)

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو تازہ کھجور کے ساتھ ککڑی کھاتے دیکھا۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْبِطِّيخِ وَالرُّطَبِ. وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ، فَيَقُولُ: يَكْسِرُ حَرُّ هٰذَا بَرْدَ هٰذَا، وَبَرْدُ هٰذَا حَرَّ هٰذَا

(سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب في الجمع بين لونين في الأكل: 3836-سنن ترمذي، أبواب الأطعمة، باب ما جاء في أكل البطيخ بالرطب: 1843-سلسلة الأحاديث الصحيحة: 57)

”نبی ﷺ تربوز اور کھجور دونوں اکٹھے کھایا کرتے تھے اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ پھر آپ ﷺ فرماتے: اس کی گرمی اس کی ٹھنڈک کو توڑتی ہے اور اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی کو توڑتی ہے۔“

چونکہ کھجور کی تاثیر گرم اور تربوز کی ٹھنڈی ہوتی ہے اور آپ ﷺ دونوں کو ایک ساتھ اس لیے ملا کر کھاتے تھے تاکہ کھجور کی گرم تاثیر تربوز کی ٹھنڈی تاثیر کا توڑ کر سکے اور تربوز کی ٹھنڈی تاثیر کھجور کی گرم تاثیر کا توڑ کر سکے۔ ٹھنڈی اور گرم چیز کو ملا کر کھانا بہت سے طبی فوائد کا حامل ہے، کیونکہ طبع انسانی دو ہی طرح سے کسی عارضے سے متاثر ہوتی ہے، ایک یہ کہ کوئی گرم شے اس پر اثر انداز ہو جائے اور دوسری یہ کہ کوئی ٹھنڈی چیز اس پر اثر کر جائے، اور جب ٹھنڈی اور گرم دونوں چیزوں کو ملا کر کھایا جائے تو کوئی بھی اثر انداز نہیں ہو پاتی کیونکہ ایک چیز دوسری کی تاثیر کو ختم کر دیتی ہے۔

بُسر کے دونوں بیٹے بیان کرتے ہیں کہ

دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدَّمْنَا لَهُ زُبْدًا وَتَمْرًا، فَكَانَ يُحِبُّ الزُّبْدَ وَالتَّمْرَ.

(سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب في الجمع بين لونين في الأكل: 3837-سنن ابن ماجه، كتاب الأطعمة، باب التمر بالزبد: 3334)

”رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں مکھن اور کھجور پیش کی، کیونکہ آپ ﷺ مکھن اور کھجور پسند فرمایا کرتے تھے۔“

کھڑے ہو کر کھانا پینا کیسا ہے؟

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَجَرَ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا، قَالَ قَتَادَةُ: فَقُلْنَا: فَالْأَكْلُ؟ قَالَ ((ذَاكَ أَشَرُّ وَأَخْبَثُ)).

(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب كراهية الشرب قائماً: 2025)

”نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے سختی سے منع فرمایا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا: کھڑے ہو کر کھانا کیسا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: یہ تو سب سے بُرا اور انتہائی قابلِ نفرت ہے۔“

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور لگتا ہے کہ کھڑے ہو کر پینے کی یہ ممانعت بر سبیل تنزیہہ ہے (تنزیہہ کا مطلب ہے کسی چیز سے لوگوں کو دور رکھنے کے لیے اسے بُرا قرار دینا) اور بیٹھ کر پینے کو اختیار کرنے والی بات بہ طورِ ادب ہے، اور دوسری وجہ اس کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کھڑے ہو کر پینے میں بیماری میں مبتلا ہونے کا بھی خدشہ ہے جیسا کہ طبی ماہرین کا خیال ہے۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَسْقَى فَأَتَيْتُهُ بِدَلْوٍ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ.

(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب في الشرب من زمزم قائماً: 2027)

”نبی کریم ﷺ کا (میرے پاس سے) گزر ہوا تو آپ ﷺ نے پانی طلب فرمایا، میں آپ ﷺ کے پاس آبِ زم زم کا ایک ڈول لے کر آیا تو آپ ﷺ نے کھڑے کھڑے ہی پی لیا۔“

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں

مروی ہے کہ

أَنَّهُ صَلّى الظُّهْرَ، ثُمّ قَعَدَ فِي حَوَائِجِ النّاسِ فِي رَحَبَةِ الْكُوفَةِ حَتّى حَضَرَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ، ثُمّ أُتِيَ بِكُوزٍ مِنْ مَاءٍ، فَأَخَذَ مِنْهُ حَفْنَةً وَاحِدَةً فَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَرَأْسَهُ وَرِجْلَيْهِ، ثُمّ قَامَ فَشَرِبَ فَضْلَهُ وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمّ قَالَ: إِنّ أُنَاسًا يَكْرَهُونَ الشُّرْبَ قَائِمًا، وَإِنّ رَسُولَ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ.

(صحيح بخارى، كتاب الأشربة، باب الشرب قائماً:5615-5616)

''آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر لوگوں کی ضرورتیں سننے اور پوری کرنے کے سلسلے میں کوفہ (کی مسجد) کے صحن میں بیٹھ گئے، یہاں تک کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا، پھر آپؐ کے پاس پانی کا ایک مگ لایا گیا تو آپؐ نے اس سے ایک چُلّو بھرا اور اسے اپنے چہرے، دونوں ہاتھوں، اپنے سر اور دونوں پاؤں پر پھیر لیا، پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور جو پانی بچ گیا تھا وہ پی لیا، حالانکہ آپؐ کھڑے تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ یقیناً لوگ کھڑے ہو کر پینے کو ناپسند کرتے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح کیا تھا جس طرح میں نے کیا۔''

ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت

ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا آكُلُ مُتَّكِئًا)).

(صحيح بخارى، كتاب الأطعمة، باب الأكل متكئاً: 5398-سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في الأكل متكئاً: 3769)

''میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔''

ٹیک لگا کر کھانا متکبرین کا انداز ہے کیونکہ اس سے نفس میں کبر پیدا ہوتا ہے، اس لیے اس سے منع کیا گیا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

مَا رُئِيَ رَسُولُ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ يَأْكُلُ مُتَّكِئًا قَطُّ، وَلَا يَطَأُ عَقِبَيْهِ رَجُلَانِ

(سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في الأكل متكئاً: 3770-سنن ابن ماجه، المقدمة، باب من كره أن يوطأ عقباه: 244- سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1239)

''رسول اللہ ﷺ کو کبھی ٹیک لگا کر کھاتے نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی دو آدمی آپ ﷺ کی ایڑھیاں روندتے تھے۔''

ایڑھیاں روندنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ لوگوں سے ممتاز ہو کر کبھی آگے آگے نہیں چلتے تھے کہ لوگ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلیں بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ اپنے اصحاب کی معیت میں ہی چلتے تھے۔

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أُهْدِيَ لِلنّبِيّ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ تَمْرٌ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ يَأْكُلُ تَمْرًا مُقْعِيًا مِنَ الْجُوعِ

(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب تواضع الآكل، وصفة قعوده: 2044-سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب ما جاء في الأكل متكئاً: 3771)

''نبی ﷺ کو کھجوریں تحفے میں دی گئیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھوک کی وجہ سے اقعاء کی حالت میں بیٹھ کر کھجوریں کھاتے دیکھا۔''

دونوں ٹانگوں کی رانوں سے پنڈلیاں ملا کر کھڑی کرنا اور کُولہوں پر بیٹھنا ''اقعاء'' کہلاتا ہے۔ تو گویا کسی عذر کی بناء پر ایسا بیٹھنا جائز ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ بھی بھوک کی وجہ سے کمزوری ہو جانے کی بناء پر اس حالت میں بیٹھے تھے۔

برتن میں پھونک مارنے یا سانس لینے کی ممانعت

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

((إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمَسّنّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَسْتَنْجِي بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَنَفّسْ فِي الْإِنَاءِ)).

(صحيح بخارى، كتاب الوضوء، باب لا يمسك ذكره بيمينه إذا بال: 154-صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب النهي عن الاستنجاء باليمين:267)

''جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو وہ اپنی شرمگاہ کو اپنے دائیں ہاتھ سے ہرگز نہ چھوئے، نہ اپنے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے اور نہ ہی برتن میں سانس لے۔''

ابو مثنّٰی جہنی بیان کرتے ہیں کہ

كُنْتُ عِنْدَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ: أَسَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ أَنّهُ نَهَى عَنِ النّفْخِ فِي الشّرَابِ قَالَ: فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: نَعَمْ. قَالَ: فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنّي لَا أُرْوَى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ: ((فَأَبِنِ الْقَدَحَ عَنْ فِيكَ ثُمّ تَنَفّسْ)). قَالَ: فَإِنّي أَرَى الْقَذَاةَ فِيهِ قَالَ: ((فَأَهْرِقْهَا)).

(سنن ترمذى، أبواب الأشربة، باب ما جاء في كراهية النفخ في

الشراب:1887)

"میں مروان بن حکم کے پاس تھا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے، تو مروان نے ان سے کہا:

کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے؟ تو ابوسعیدؓ نے جواب دیا:

جی ہاں، پھر ایک آدمی نے آپ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! میں ایک سانس سے سیراب نہیں ہوتا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے منہ سے پیالے کو ہٹا لے، پھر سانس لے۔ اس نے کہا: میں اس میں گندگی دیکھوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے انڈیل دے۔"

تین سانسوں میں مشروب پینے کے فوائد

ثمامہ بیان کرتے ہیں کہ

كَانَ أَنَسٌ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، وَزَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

(صحیح بخاری، كتاب الأشربة، باب الشرب بنفسين أو ثلاثة:5631-صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب كراهة التنفس في نفس الإناء، واستحباب التنفس ثلاثا خارج الإناء: 2028)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ مشروب پینے کے دوران دو یا تین بار سانس لیتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ پیتے ہوئے تین بار سانس لیا کرتے تھے۔"

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین سانسوں میں پانی یا کوئی بھی مشروب پینے کے فوائد بیان کیے ہیں، جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ ثَلَاثًا، وَيَقُولُ: ((هُوَ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ وَأَبْرَأُ)).

(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب كراهة التنفس في نفس الإناء، واستحباب التنفس ثلاثا خارج الإناء:2028)

"نبی ﷺ جب کوئی مشروب پیتے تو تین بار سانس لیتے اور فرماتے: اس طرح پینا پیاس بجھانے، ہاضمے اور تندرستی کے لیے زیادہ بہتر ہے۔"

☆☆☆

فریدہ اقبال اعظمی رحمہا اللہ

مضمون: ڈاکٹر مفتی محمد کلیم اللہ عمری مدنی

نام ونسب:

فریدہ اقبال اعظمی بنت شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان ناصح اعظمی (سابق استاذ جامعہ دار السلام عمر آباد) بن حاجی عبد الرحمن شہید بن مولوی حکیم جمال الدین مئوی بن شیخ بیو احکیم بن حاجی ڈومن۔

والدہ کا نام:

سلمی بی بنت والے محمد اسماعیل ہے پر نام بٹ، چنئی۔

پیدائش ومقام:

رمضان المبارک کی 27ویں شب 1947ء کو عمر آباد چنئی میں پیدا ہوئیں۔

تعلیم وتربیت:

اپنی والدہ اور بڑے بھائی مولانا حبیب الرحمن زاہد اعظمی عمری اور حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی سے ناظرہ قرآن اور اردو وغیرہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ نسواں عمر آباد میں داخل ہوئیں ،وہاں سے پرائمری درجات 5/سال مکمل کرنے کے بعد حافظ قاری عبید اللہ سے عربی فارسی، آمد نامہ، کتاب الصرف، ابواب الصرف مکمل ترجمہ قرآن اور سورہ نور، سورہ احزاب، سورہ حجرات سورہ ملک اور سورہ قلم کی تفسیر پڑھی۔

اس کے علاوہ کچھ انگریزی اور تمل زبان بھی پڑھی اور مئو میں جب آپ آتیں تو ہندی بھی پڑھتی تھیں۔

خدمات: بچوں اور بچیوں کو اپنے گھر پر قرآن مجید کی تعلیم دیتی تھیں۔

زیارت حرمین شریفین:

2007ء میں حج بیت اور 2014ء میں عمرہ کی سعادت حاصل کیں۔

وفات:

21/اگست 2025ء بروز جمعرات مالک حقیقی سے جاملیں، بعد نماز عشاء شیخ انیس الرحمن اعظمی عمری مدنی نے نماز جنازہ پڑھائی اور آمبور میں تدفین ہوئی۔

شادی:

آپ کی شادی آمبور، چنئی میں جناب عبد اللطیف صاحب سے ہوئی تھی جو 1997ء میں انتقال کر گئے۔

اولاد:

1۔ سعیدہ سلمی (تعلیم انٹر تک) زوجہ اسد اللہ (بی ایس سی) آمبور۔

2۔ عمیر اسلم (بی ایس بی کیمسٹری)

3۔ سہیل اکرم (لیدر ٹیکنالوجی میں ڈپلومہ)

4۔ عزیر اجمل (بی کام)

5۔ صبیحہ انجم (تعلیم انٹر تک) زوجہ مختار احسن (بی ایس بی) آمبور۔

آخری مرتبہ اپنے آبائی وطن مئوناتھ بھنجن یوپی میں 1998ء میں آئی تھیں۔

☆☆☆



رسول اللہ ﷺ کا پیغام شوہروں کے نام

محمد عبدالرحیم خرم عمری جامعی

تعمیر معاشرہ وگھریلو سدھار میں جہاں خواتین کا کردار سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہیں آدمی کا کردار بھی سب سے زیادہ اہم ہے، ہمارے سماج میں گھریلو بگاڑ کے لئے صرف خواتین کو موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے یہ سراسر ظلم و زیادتی ہے، معاشرتی اور گھریلو زندگی میں آدمی کا سب سے بڑا کردار ہے اسی لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آدمی کو عورتوں کا حاکم بنایاہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾

”مرد عورت پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے مال خرچ کئے ہیں۔“ (سورۃ النساء:34)

اس آیت کے معنی کو مردوں نے محدود کرلیا ہے اور عورتوں پر ظلم وزیادتی کرنے اور اپنی مرضی چلانے لگے، عورت کو اس طرح خوف زدہ کردیا کہ وہ بجائے شوہر سے خوش رہنے کے ناراض رہنے لگی، گھریلو زندگی میں محبت کی فضاء کے بجائے خوف ودہشت کی فضاء چھانے لگی، مردوں کو چاہئے کہ اپنے حاکم ہونے کے مفہوم کو صحیح انداز میں سمجھنے کی کوشش کریں۔یہ مفہوم نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ہی کی زندگی سے سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے اور صحابہ کی زندگی ہمارے لئے مثالی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی زندگی میں 11 بیویاں تھیں کس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا ہوگا؟، کس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ زندگی گزاری ہوگی؟ چند ارشادات بیان کئے جاتے ہیں جس کو اختیار کرنے سے ہمارے گھروں میں سکون وسلامتی باقی رہے گی اور اللہ کی برکت کا نزول بھی ہوگا۔

شوہر بیوی کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے:

آدمی باخلاق و باکردار ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے اچھے اخلاق کا مظاہرہ دوست و احباب اور رشتے داروں میں ہوتا ہے لیکن اپنی بیوی کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ نہیں کرتا، بلکہ گالی گلوچ ظلم وزیادتی سے پیش آتا ہے، وہ عورت کو پیچ اور لونڈی سمجھتا ہے، آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ نرمی اور اخلاق سے پیش آئے کیونکہ وہی آدمی سب سے اچھا ہوگا جس کے اخلاق و کردار کی گواہی بیوی دے، کیونکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي

”تم میں سب سے بہتر وہ آدمی ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ سب سے بہتر ہو اور میں تم میں سب سے بہترین اسی لئے ہوں کہ اپنی بیویوں کے ساتھ میں سب سے بہتر رہتاہوں۔“ (جامع ترمذی : 3895)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ خُلُقًا

”مؤمنین میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو ان میں اخلاق کے لحاظ سے سب سے اچھا ہے اور تم میں بہترین شخص وہ ہے جو تم میں سے اپنی بیویوں کے لئے سب سے بہتر (اخلاق و کردار و معاملہ والا) ہے۔“ (سنن ابوداؤد 4682، جامع ترمذی :1162)

اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیاہے، اللہ تعالی ارشاد فرمایا:

(وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ)

”ان عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہن سہن اختیار کرو۔“ (سورۃالنساء:19)

لیکن ہمارے مرد حضرات کا حال یہ ہے کہ وہ ماں، بہن، بیٹی، خالہ، پھوپی، بھائی اور دوسرے رشتے داروں کے ساتھ تو بہت اچھے رہتے ہیں لیکن اپنی بیوی کے ساتھ اچھے نہیں رہتے، انہیں مارنا توڑنا حقیر سمجھناایسی بری عادتوں کا شکار رہتے ہیں، یہ سوچ اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ وہ بیوی کو یاتو الگ مخلوق سمجھتے ہیں یا اجنبی سمجھتے ہیں، اس بری عادت سے بچیں۔

شوہر اور بیوی کے درمیان جب کسی قسم کی ناچاقی و اختلاف ہو جاتا ہے تو عموماً شوہر غصے میں بیوی کو لعن طعن کرتا ہے، کبھی کبھی گالی گلوچ کرتا ہے کبھی کبھی بیوی کے والدین اور ان کے حسب ونسب کو برا بھلا کہ دیتاہے، کبھی کبھی اپنی بیوی کی برائیاں اور خامیاں بیان کرتا پھرتا ہے، حالانکہ شوہر اور بیوی کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کی نوعیت بڑی نہیں رہتی بلکہ یہ سب باتیں ایک، دو دن میں ختم ہو جاتی ہیں، عورت کے عادات و اطوار سارے کے سارے برے نہیں ہوتے بلکہ ان میں کوئی ایسی ایک عادت تو ہوگی جو قابل تعریف ہوگی اسی لئے شوہر کو نصیحت کی گئی ہے۔

حدیث شریف میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يَفْرُكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُق رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ أَوْ قَالَ غَيْرَهُ

”کوئی مؤمن آدمی کسی مومنہ عورت سے بغض نہ رکھے اگر وہ اس کے کوئی ایک وصف وعادت کو ناپسند کرتا ہے تو یقیناً اس کا کوئی دوسرا اوصف وعادت پسند کرتا ہے۔“ (صحیح مسلم:1469)

شوہر پر بیوی کے حقوق

عموماً عورتوں کو سختی کے ساتھ اس بات کی تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ شوہر کے حقوق ادا کرتی رہیں، لیکن شوہر اپنے آپ کو ان حقوق سے بری سمجھتا ہے، جب شوہر اور بیوی کے درمیان اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اور ان میں صلح صفائی کروائی جاتی ہے، اس وقت بھی عورت ہی کو نصیحت کی جاتی ہے اور شوہر کو زیادہ کچھ نہیں کہا جاتا، اس کے سبب مرد برادری کے حوصلے بلند ہو گئے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سارا قصور عورت ہی کا ہے، مرد کا نہیں! حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرد کی بھی کچھ ذمہ داریاں بتائی ہیں، اگر شوہر اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرے گا تو باہمی رشتوں میں محبت والفت اور مٹھاس باقی رہے گی اس ضمن میں کچھ تعلیمات نقل کی جاتی ہیں، مرد حضرات اس پر عمل کریں تو زندگی خوشگوار ہوگی۔

تعلیم: 1

بعض دیندار شوہر دین کے فرائض میں اتنا مشغول ہو جاتے ہیں کہ وہ عورت کے حقوق کو پامال کر جاتے ہیں، تبلیغ دین، عبادات، قومی قیادت و سیادت کی مشغولیت میں بیوی کو وقت نہیں دیتے۔ حدیث شریف میں دو صحابہ کرام حضرت ابو الدرداء اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما کے درمیان کا مکالمہ منقول ہے، حضرت ابو الدرداء دنیا سے بے رغبت ہو جاتے ہیں تو سلمان رضی اللہ عنہ انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(إنّ لِرَبّكَ عَلَيْكَ حَق وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقاً " وَلْأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقاً ، فَأَعْطِ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ)

”تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اسی لئے ہر حق والے کا حق ادا کرو۔“ (صحیح بخاری: 1967)

تعلیم: 2

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کثرت سے روزے رکھنے والے اور رات رات بھر نمازیں پڑھنے کے عادی تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: روزہ بھی رکھو، اور روزہ چھوڑو بھی، نماز بھی پڑھو اور آرام بھی کرو کیونکہ

فَإِنّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ، وَإِنّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا " وَإِنّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا

”کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے۔“ (صحیح بخاری:1975)

تعلیم: 3

حضرت اسود رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ نبی ﷺ جب گھر میں ہوتے تو کیا کام انجام دیا کرتے ہیں؟ وہ کہنے لگیں کہ

كَانَ يَكُوْنُ فِيْ مِهْنَةِ أَهْلِهِ - تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ - فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلاةِ

”آپ ﷺ اپنی بیوی کے کام کاج یعنی خدمت میں مصروف رہتے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لئے نکل جاتے۔“ (صحیح بخاری: 676)

تعلیم: 4

شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کو کسی بھی وقت نہ مارے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خَادِ مَا وَلَا اِمْرَأَةً قَطُّ

رسول اللہ ﷺ نے کسی خادم یا عورت کو کبھی نہیں مارا۔ (سنن ابو داؤد:4003)

شریعت میں عورت کو مارنے کی جو اجازت دی گئی ہے وہ صرف نصیحت کے لئے ہے، ہلکی مار جس سے زخم نہ آئے، ایسی زدوکوب و تشدد جس سے چہرہ زخمی ہو جائے، ہاتھ پیر ٹوٹ جائے، جسم پر ماروں کے نشان جم جائیں لکڑی ڈنڈے کا استعمال ہو اس سے روکا گیا ہے۔ بعض ناہنجار قسم کے لوگ عورت کو تشدد کا نشانہ بنا کر دین کی آڑ لیتے ہیں کہ شریعت نے ان کو ایسی اجازت دی ہے دراصل یہ مکار و عیار لوگ ہیں۔

تعلیم: 5

بیوی کے معاملے میں شوہر کو چاہئے کہ وہ درگزری سے کام لے اور بیوی کے معاملے میں حق و بھلائی کی بات قبول فرمائے، ہمارے سماج میں چونکہ مشترکہ خاندانی نظام رائج ہے اسی لئے اکثر ہوتا یہ ہے کہ والدین، بھائی بہن اور دوسرے لوگ بیوی کے معاملے میں شوہر کو اکسا دیتے ہیں اور بدگمان کر دیتے ہیں جس کے سبب شوہر بیوی پر سختی کرتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَإِذَا شَهِدَ أَمْراً فَلْيَتَكَلّمْ بِخَيْرٍ أَوْ لِيَسْكُتْ، وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ، فَإِنّ المَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنّ أَعْوَجَ شَيٍّ فِي الضّلَعِ أَعْلاهُ إِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ

أَعْوَجَ وَاسْتَوصُوْا بِالنِّسَاء خَيْراً

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے جب (اپنی بیوی میں) کوئی (ناپسند آنے والا) معاملہ دیکھے تو اچھی طرح سے بات کہے یا خاموش رہے، اور عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کی نصیحت قبول کرو، کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی اس کے اوپر والے حصے میں ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے لگ جاؤ گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی رہے گی، عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کی نصیحت قبول کرو۔“ (صحیح مسلم 3644:)

تعلیم 6:

بہت سے شوہر ایسے ہوتے ہیں کہ وہ باہر کی دنیا میں دوستوں اور احباب پر دولت لٹاتے پھرتے ہیں لیکن گھر کا خیال نہیں رکھتے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ صَدَقَةٌ

”آدمی کا اپنے اہل وعیال پر خرچہ کرنا صدقہ ہے۔“ (صحیح بخاری: 4006، جامع ترمذی:1965)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے ابو مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاروایت کرتے ہیں کہ

إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً يَحْتَسِبُهَا فَهِيَ لَهُ صَدَقَةٌ

”جب کوئی شخص اپنے گھر والوں پر کوئی چیز خرچ کرے اور ثواب کی نیت رکھے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔“ (سلسلہ صحیحہ: 1803)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَفضَلُ دِيْنَارٍ يُنفِقُهُ الرَّجُلُ دِيْنَارُ يُنْفِقُهُ عَلَى عَيَالِهِ، وَدِيْنَارُ عَلَى يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى دَابَتِهِ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَدِيْنَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى أَصْحَابِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ. قَالَ أَبُوْ قَلَابَةَ :

وَبَدَأَ بِالْعَيَالِ، ثُمّ قَالَ ابُوْ قَلَابَةَ . وَأَى رَجُلٍ أَعْظَمُ أَجْراً مِنْ رَجُلٍ يُنْفِقُ عَلَى عَيَالٍ صِغَارِيَعْفُهُمْ أَوْ يَنْفَعُهُمُ اللهُ بِهِ وَيُغْنِيهِمْ

”بہترین دینار جسے انسان خرچ کرتا ہے وہ دینار ہے جسے وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جسے انسان اللہ کی راہ میں اپنے جانور پر خرچ کرتا ہے، اور وہ دینار ہے جسے وہ اللہ کے راستے میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔ ابو قلابہ نے کہا

: آپ نے اہل وعیال سے ابتدا فرمائی۔ پھر ابو قلابہ نے کہا:

اجر میں اس آدمی سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے جو چھوٹے بچوں پر خرچ کرتا ہے اور وہ ان کو ذلت سے بچاتا ہے یا اللہ اس کے ذریعہ سے انہیں فائدہ پہنچاتا اور بے نیاز (غنی) کرتا ہے۔“ (صحیح مسلم:2310، سنن ابن ماجہ:2760، مسند احمد:7273)

اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو مثالی شوہر بنائے اور ہماری بہنوں کو مثالی بیوی بنے کی توفیق عطا فرمائے، ہمارے گھروں سے اختلافات و شر کو ختم فرمائے، میاں بیوی کے رشتوں میں محبت والفت پیدا فرمائے، شیطان کے شر سے بچائے اور ہمارے گھرانوں کو مثالی گھرانہ بنائے۔(آمین)

☆☆☆

چودھری محمد یعقوب بھی چل بسے

برمنگھم کی معزز شخصیت چوہدری محمد یعقوب 80 سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث برمنگھم کے وہ تاسیسی ممبر تھے اور توحید وسنت کے کاموں میں ان کا بڑا تعاون رہا، مولانا محمد عبد الہادی العمری نے جامع مسجد محمدی ہارٹپ روڈ میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی، جس میں پورے برطانیہ سے اعزہ واقارب نے شرکت کی، مرحوم کے تین صاحبزادے پسماندگان میں شامل ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ کریم ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین

☆☆☆

حاجی عبد الرحمٰن جنجوعہ کی بڑی صاحبزادی وفات پا گئیں

ڈڈلی میں جمعیت اہلحدیث اور مسجد کے بانی حاجی عبد الرحمٰن جنجوعہ کی بڑی صاحبزادی 81 سال کی عمر میں قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

انہوں نے صابرانہ اور شاکرانہ زندگی بسر کیں، اور کتاب وسنت پر عمل کرنے والی تھیں۔

جامع مسجد ڈڈلی میں ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ واضح ہو کہ ڈڈلی مسجد کے ذمہ جناب محمد عمر اور جناب عبد اللہ خالد کی بڑی ہمشیرہ تھیں۔ جناب عابد جنجوعہ اور آصف جنجوعہ کی خالہ تھیں، پسماندگان میں ایک صاحبزادی شامل ہیں۔ اللہ کریم مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین

☆☆☆



نماز (فرض) کے بعد مسنون اذکار سے متعلق

حدیث نمبر:124

عَنْ عبد الله بن عباس رضي الله عَنْه، «أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ ــ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ ــ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ». قال ابن عباس : «كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوا بِذَلِكَ، إِذَا سَمِعْتُهُ». وفي لفظٍ، «مَا كُنَّا نَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إلا بِالتَّكْبِير».

(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، برقم 841، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، بلفظه، برقم 122- (583). رواه البخاري، كتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، برقم 842، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، بلفظه، برقم 121-(583)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیشک بلند آواز سے ذکر جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں معمول تھا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب لوگ سلام پھیرتے تو مجھے اس بات کا علم اسی (بلند آواز کے ساتھ کیے گئے ذکر) سے ہوتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کی آواز سن کر ہم (صحابہ) رسول اللہ ﷺ کی نماز کا اختتام پہچان جاتے تھے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - رَفْعَ الصَّوْتِ : آواز کا بلند کرنا/ہوں۔

2 - حِينَ: جب/ جس وقت

3 - اَلْمَكْتُوْبَةِ :فرض نماز۔

4 - عَهْدُ:زمانہ۔

5 - كُنْتُ أَعْلَمُ :میں جان جاتا تھا۔/ مجھے معلوم ہوتا۔

6 - إِذَا انْصَرَفُوا : جب وہ پلٹتے ۔یعنی سلام پھیرتے۔

7 - إِذَا:جب

8 - كُنَّا:ہم تھے

9 - نَعْرِفُ :ہم پہچانتے/ جانتے۔

10 - اِنْقِضَاءَ :اختتام۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔فرض نماز کے بعد مسنون اذکار کا اہتمام کرنا۔

2۔فرض نماز کے فورا بعد بلند آواز سے مسنون ذکر کرنا تاکہ تمام نمازیوں کو نماز کے اختتام کا علم ہو جائے۔

3۔فرض نماز کے فورا بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا سنت ہے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو فرض نماز کے بعد اللہ اکبر ذکر کو درست نہیں سمجھتے ہیں۔

4۔اللہ اکبر کی طرح تین بار استغفر اللہ بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

5۔اگر کوئی مقتدی امام کا سلام نہ سن سکے اور نماز کے اختتام میں امام سے پیچھے رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ایسے شخص پر کوئی سجدہ سہو وغیرہ نہیں ہے۔ ایسے شخص کو جب نماز کے اختتام کا علم ہو وہ اپنا سلام پھیر لے۔

6۔ایسے اذکار جو غیر مسنون ہیں یا جن کا بلند آواز سے پڑھنا سنت نہیں ان کو بلند آواز سے پڑھنا درست نہیں ہے خصوصاً اجتماعی شکل میں کیونکہ اس سے باقی نمازیوں کو تشویش اور تکلیف ہوتی کیونکہ بعض اپنی نماز پوری کر رہے ہوتے ہیں اور بعض اپنے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں کیونکہ تمام نمازیوں کو تمام مسنون اذکار میں ایک ساتھ ہونا ضروری یا سنت نہیں ہے بلکہ صرف تکبیر اور استغفار یعنی اللہ اکبر اور استغفر اللہ کہنے میں سبھی کا ایک ساتھ ہونا سنت ہے۔

7۔بعض لوگ نماز کے بعد اجتماعی طور پر بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور درود کا ورد کرتے ہیں جو کہ غیر مسنون اور نمازیوں کے لیے تکلیف کا سبب ہے لہذا اس سے پرہیز کرنا چاہیے البتہ نمازی انفرادی طور پر لا الہ الا اللہ اور درود شریف سمیت کوئی بھی مسنون ذکر یا اپنی دعا آہستہ آواز میں کر سکتا ہے۔

حدیث نمبر:125

عَنْ وَرَّادٍ مولى المغيرة بن شُعبة قال : أَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فِي كِتَابٍ إِلَى مُعَاوِيَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ : «لا إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٍ، اللَّهُمَّ لا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ». ثُمَّ وَفَدْتُ بعد ذلك على معاوية فسمعته يأمر الناس بذلك. وفي لفظٍ : «كَانَ يَنْهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدِ الْبَنَاتِ، وَمَنْعٍ وَهَاتِ».

(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، برقم 844، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، برقم 593. رواه البخاري، كتاب الاستقراض، باب ما

ينهى عن إضاعة المال، برقم 2408، وفي كتاب الرقاق، باب ما يكره من قيل وقال، برقم 6473، ولفظه: «إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ عِنْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلَاةِ: «لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ» ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وفي كتاب الاعتصام، باب ما يكره من كثرة السؤال، برقم 7292، ومسلم، كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة، برقم 12 بعد الحديث رقم 1715)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام وراد سے روایت ہے کہتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حضرت معاویہ کو خط لکھوایا جس میں یہ تحریر تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ کہا کرتے تھے : "اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اسکا کوئی شریک نہیں بادشاہت اسی کی ہے اور تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز ہر قادر ہے الہی جسے تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے تو روک لے اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں اور کسی مرتبے والے کا مرتبہ یا مال و دولت والے کا مال و دولت تیرے سامنے کوئی نفع نہیں دے سکتا۔" پھر اس کے بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا میں نے سنا کہ آپ لوگوں کو مذکورہ دعا پڑھنے کا حکم دے رہے تھے ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ قیل و قال یعنی فضول گفتگو، مال ضائع کرنے اور زیادہ سوالات کرنے سے منع کیا کرتے تھے نیز آپ ﷺ ماؤں کی نافرمانی، بچیوں کو زندہ درگور کرنے، بخل اور لالچ سے منع کیا کرتے تھے۔(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - اَمْلَى: اس نے سے لکھوایا۔
2 - فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ: ہر نماز کے بعد۔
3 - مَكْتُوْبَةٌ: فرض۔
4 - لَهُ الْمُلْكُ: بادشاہت اسی کی ہے۔
5 - لَهُ الْحَمْدُ: تعریف اسی کی ہے۔
6- قَدِيْرٌ: قدرت رکھنے والا۔
7 - لَا شَرِيْكَ لَهُ: اسکا کوئی شریک نہیں۔
8 - لَا مَانِعَ: کوئی روکنے والا نہیں
9 - اَعْطَيْتَ: تونے عطا کیا۔
10 - مُعْطِيَ: دینے والا۔
11 - مَنَعْتَ: تونے روک دیا۔
12 - لَا يَنْفَعُ: نہیں نفع دے سکتا۔
13 - ذَا الْجَدِّ: بزرگی / مرتبے والا۔
14 - قِيْلَ وَقَالَ: فضول گفتگو۔
15 - إِضَاعَةُ الْمَالِ: مال ضائع کرنا۔
16 - كَثْرَةُ السُّوَالِ: زیادہ سوالات کرنا۔
17 - عُقُوْقِ الْاُمَّهَاتِ: ماؤں کی نافرمانی۔
18 - وَوَأْدِ الْبَنَاتِ: بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا۔
19 - مَنْعٍ وَهَاتٍ: بخل اور لالچ۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث کو خطوط میں لکھنا مستحب ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو خط لکھتے وقت بسم اللہ وغیرہ اس لیے نہیں لکھتے ہیں کہ اس سے بسم اللہ کی توہین کا اندیشہ ہے۔

2۔ جب نبی کریم ﷺ کی حدیث کا علم ہو جائے تو پھر اس پر عمل کرنا چاہیے اور دوسروں کو اس کی ترغیب دینی چاہیے جیسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو مسنون دعا کا حکم دیتے تھے۔

3۔ حدیث میں مذکورہ دعا ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا مستحب عمل ہے۔

اور اس سے توحید کی فضیلت اور اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔ اور کلمہ توحید افضل الذکر والدعاء ہے۔

4۔ یہ عظیم الشان ذکر اور دعا توحید کے اثبات، شرک کی نفی، اللہ تعالیٰ کی مکمل بادشاہت، اس کی کامل تعریف، اس کی قدرت کامل، کائنات میں اسکے مکمل تصرفات اور مخلوق کی بے بسی اور محتاجگی کے اعترافات پر مشتمل ہے۔

5۔ قیل و قال فضول اور بے مقصد گفتگو کی مذمت ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

6۔ مال کا ضیاع اور بربادی مذموم ہے کیونکہ مال اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے لہذا اس کی قدر کرنا اور صرف جائز امور میں جائز خرچ کرنا جائز ہے اسراف وتبذیر ناجائز و حرام ہے بدعات اور رسومات و خرافات میں خرچ کرنا مال کا ضائع کرنا ہے جس کی ممانعت رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی ہے قل، ختم، تیجہ، ساتواں، چالیسواں، سالگرہ، رجب کے کونڈے، محرم کی سبیلیں، گیارہویں وغیرہ، عید میلاد اور اس میں کھانا پکانا وغیرہ، شادی کی رسومات پر خرچ، شادی کے موقع پر ریاکاری و دکھلاوے کے لیے مہنگی کاروں کو کرائے پر لینا، ریاکاری و دکھلاوے کے لیے مہنگے ہال وغیرہ بک کرنا، وغیرہ یہ سبھی مال کا ضیاع ہے۔ اسلام نے حلال اور جائز چیزوں میں بھی بے جا خرچ کو ناپسند کیا اور حرام وناجائز چیزوں میں تو خرچ کرنے والے کو اللہ نے شیطان کے بھائی قرار دیا ہے۔ (سورة الاسراء: 27)

7۔ ماں کی نافرمانی یعنی جائز امور میں ماں کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے۔ البتہ اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی میں ماں کی فرمانبرداری کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق

(مسند احمد وصححہ البانی واصلہ فی البخاری)

8۔ بخل، لالچ یعنی جہاں ضروری خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ نہ کرے اور جہاں خرچ نہیں کرنا چاہیے وہاں کسی لالچ کی وجہ سے خرچ کرے رسول اللہ ﷺ نے اس سے اپنی امت کو روکا ہے۔

9۔ کثرت سوال یعنی بیجا اور بے مقصد اور فرضی سوالات کرنا۔

10۔ بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی سخت ممانعت ہے۔



إِنّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، فَمَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلا مُضِلّ لَهُ ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلّا اللّٰهُ ، وَأَشْهَدُ أَنّ مُحَمّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ، أَمّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشّيْطٰنِ الرّجِيم * بِسْمِ اللّٰهِ الرّحْمَنِ الرّحِيمِ ﴿فَإِمّا يَأْتِيَنّكُم مِّنّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرة: 138 ﴿فَإِمّا يَأْتِيَنكُم مِّني هُدًى فَمَنِ اتّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلّ وَلَا يَشْقَى ﴾ [طه: 123] ﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا أَتيكُمْ﴾ [الحديد: 23]

﴿وَقَدْ خَابَ مَن دَسّاهَا﴾ [الشمس: 8]

تمہید

دنیا کی زندگی میں آزمائش، امتحان اور حالات کا نشیب و فراز ہونا قانون فطرت کا حصہ ہے، لیکن مصائب آنے پر ناامید اور رحمت الٰہی سے مایوس ہونا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ناامیدی دل میں تکذیب پیدا کرتی، توکل علی اللہ کو کمزور کرتی اور تقدیر پر کامل ایمان کے منافی ہے۔ جب زندگی میں مایوسی کے سیاہ بادل چھا جائیں تو انسان کی دینی اور دنیوی زندگی کے تمام کام معطل ہو جاتے ہیں، اس کا علاج صرف قضا و تقدیر کے عقیدے پر کامل ایمان ہے۔

ایک مسلمان جب شعوری طور پر کلمہ پڑھتا ہے تو اس کی نفسیاتی بیماریوں کا علاج ہو جاتا ہے، اسلام نے لوگوں کو ظلمت وضلالت کے اندھیروں سے وحی کے نور کی طرف نکالا ہے۔ پاگل اور حواس باختہ وہی شخص ہے جس نے زندگی کی حقیقت اور اپنے جینے کے مقصد کو بھلا دیا ہے۔

اسلامی اور مسنون طرز زندگی ہی مایوسی، ناامیدی اور ڈپریشن سے نکلنے کا واحد حل ہے، جسے آج کے طبی ماہرین بھی مان چکے ہیں۔ سائنسی ترقی کی راہ میں اسلام بالکل رکاوٹ نہیں، بلکہ دین کی بنیاد دنیا اور آخرت کی مصلحت اور منفعت پر ہے۔ اگر دنیا سے دین نکال دیں، یا زندگی سے آخرت کا تصور ختم کر دیں تو زندگی ظلمت کدہ، خیر وشر کی تمیز سے خالی اور چنگیزیت رہ جائے گی۔ جس کے بعد امن کے بجائے بدامنی، خیر کی جگہ شر اور نفع کی جگہ نقصان ہی اٹھانا پڑے گا۔

دین الٰہی سے خالی سائنسی ایجادات اور بڑے بڑے عجائبات تو قوم عاد و ثمود اور مدین کی قوم نے بھی بنائے تھے، کیا وہ اللہ کے عذاب سے بچ گئے، ان کی زندگی عبرت کا نشان بن گئی، فرعون کی نعش آج تک دیکھنے والوں کے لیے عبرت کا نشان ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ نور وحی کے بغیر عقلی اور سائنسی ترقی دراصل اپنی ہلاکت کا سامان ہے۔

گناہوں کے زندگی پر نفسیاتی اثرات

گناہ انسان کو مایوسی اور ناامیدی کی طرف لے کر جاتے ہیں:

گناہوں کی زندگی پر بہت برے اثرات ہیں، جس کی مثال قرآن مجید کے اندر سیدنا آدم علیہ السلام کا قصہ ہے کہ جب انہیں حکم ہوا کہ اس درخت کے قریب نہیں جانا، لیکن شیطان نے انہیں پھسلا دیا اور وہ اس درخت کی قریب چلے گئے، اس غلطی کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنت کا لباس اتار دیا ہے اور جنت سے اتار کر نیچے زمین پر بھیج دیا۔ جس کے بعد استغفار اور توبہ قبول ہونے کی پریشانی اور غم نے گھیر لیا، اللہ تعالیٰ نے توبہ کے کلمات سکھائے اور اولاد آدم کو مایوسی، غم وحزن اور ناامیدی کا علاج بتلایا:

﴿فَإِمّا يَأْتِيَنّكُم مِّنّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ:38)

”پھر اگر کبھی تمہارے پاس میری طرف سے واقعی کوئی ہدایت آجائے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا سو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

گناہ، ذلت ورسوائی اور ہلاکت میں ڈالتے ہیں:

گناہ انسان کو ذلیل اور رسوا کرتے ہیں۔ بے عزتی اور محرومی کا احساس انسان کو نفسیاتی طور پر مریض بنا دیتا ہے، اس لیے نیکی عزت اور گناہ ذلت کا باعث ہے۔ لہٰذا عقلی طور پر بھی اس چیز کو چھوڑ دینا چاہیے جو انسان کی بے عزتی کا سبب بنے اور جس سے نفسیاتی مسائل پیدا ہوں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الزھد میں نقل کیا ہے کہ جبیر بن نفیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

جب قبرص فتح ہوا تو وہاں کے لوگوں کو الگ الگ کر دیا گیا، جس سے وہ ایک دوسرے کی خاطر رونے لگے، میں نے سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو اکیلے بیٹھے روتے ہوئے دیکھا، تو پوچھا: اے ابوالدرداء! آپ کو

اس دن کس چیز نے رُلا دیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت عطا کی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَا أَهْوَنُ الْخَلْقِ عَلَى اللهِ إِذَا هُمْ تَرَكُوا أَمْرَهُ ، بَيْنَا هِيَ أُمَّةٌ قَاهِرَةٌ ظَاهِرَةٌ، لَهُمُ الْمُلْكُ تَرَكُوا أَمْرَ اللهِ فَصَارُوْا إِلَى مَا تَرَى

”تجھ پر افسوس اے جبیر! اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق کس قدر کمتر ہے، جب وہ اس کی اطاعت کرنا چھوڑ دیں۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے ایک زبردست غالب قوم تھے، جن کی بادشاہت تھی، انہوں نے خدا کے احکام کو ماننا چھوڑ دیا تو ان کی یہ حالت ہو گئی ہے جس کا تم مشاہدہ کر رہے ہو۔“

(حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء:1/216)

اس کے متعلق رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ ، لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ))

”اور جس کے عمل نے اسے (خیر کے حصول میں) پیچھے رکھا، اس کا نسب اسے تیز نہیں کر سکتا۔“ (صحیح مسلم:2699)

گناہ انسان کو مایوس کرتے اور مٹی کے ساتھ ملا دیتے ہیں:

گناہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے حساب سے دنیا کی زندگی پر اور مرنے کے بعد بھی اس کا اثر لازمی ہوتا ہے۔ اس سلسلے قرآن مجید میں سابقہ قوموں پر مختلف عذاب، زمینی اور آسمانی آفتیں جو نازل ہوئیں تو اس کا سبب اُن کا کفر و شرک اور انبیاء کی مخالفت کرنا تھا، یہی وہ کبیرہ گناہ تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں صفا ہستی سے مٹا کر رکھ دیا۔

﴿وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا﴾ (الشمس:8)

”اور یقیناً وہ نامراد ہو گیا جس نے اسے مٹی میں دبا دیا۔“

دنیا میں دو طرح کے لوگ نفسیاتی مسائل کا شکار ہیں :

1۔ جو لوگ ایمان سے محروم اور شرعی احکام سے بے لگام ہوں وہ لازمی نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔ مغرب میں نفسیاتی مسائل بہت زیادہ ہیں، کیوں کہ وہاں نفسانی خواہشات کی تکمیل اور بے راہ روی نے زندگی کا سکون برباد کر دیا ہے۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا﴾ (سورۃ طہ:124)

”اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھیرا تو بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے۔“

2۔ اسی طرح دنیا میں بہت زیادہ مالدار لوگ بھی نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوتے ہیں، کیوں کہ انہیں مال و متاع کی فکری لگی رہتی ہے، وہ اسی سوچ میں گم رہتے ہیں کہ ہماری دولت کا مرنے کے بعد کیا بنے گا، کیا ہم یہ سب چھوڑ دیں گے ، یہی غم نفسیاتی اور ڈپریشن جیسی بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔

اسی کے بارے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (التکاثر:1، 2)

”تمہیں ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبرستان جا دیکھے۔“

ذکر الٰہی سے اطمینان اور ذکر سے اعراض بے چینی ہے:

لا محدود آرزوئیں، محدود زندگی کو عذاب بنا دیتی ہیں۔ یہ زندگی ایک خواب گراں ہے، ہم سب نیند کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں، جب آنکھ بند ہو گی تو حقیقی طور پر آنکھ کھلے گی، حیرانی اس بات پر ہے کہ ملک میں گرتی ہوئی معاشی حالت، ذہنی اضطراب، ڈپریشن اور دگرگوں حالات کے باوجود ہم خود کو بدلنے کے لیے تیار نہیں، ہماری نوجوان نسل سکون باہر کسی جگہ تلاش کر رہی ہے، مادہ پرستی اور دنیا کے ساز سامان کو سکون سمجھ لیا ہے، حالاں کہ سکون تو دل کا ہوتا ہے، جس کو قرآن مجید نے اطمینان قلب کہا ہے، اندر کا سکون صرف ذکر الٰہی میں ہے۔

جیسے اللہ نے خود فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴾ (الرعد: 28)

”وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔“

آیت کریمہ کی تفسیر اور ذکر کا مفہوم:

فکری انتشار کے علاج کے لیے آیت کریمہ میں لفظ ذکر اللہ آیا ہے، اہل علم نے اس کے دو معانی کیے ہیں:

1۔ ذکر کا معنی نصیحت ہے، قرآن مجید، حدیث مبارک اور ساری شریعت ہی خیر وخواہی اور نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہی کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے اور ان کے دل کو وحی الٰہی سے ملنے والی نصیحت سے پوری تسلی ہو جاتی ہے۔

☆ ذکر کا دوسرا معنی یاد الٰہی ہے، یہ پختہ ایمان کی نشانی ہے کہ مسلمان بندہ جیسے ہی نماز یا قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتا ہے تو دنیا کے خیالات اس کے قلب و نظر سے محو ہونے لگتا ہے۔

کافر لوگ اسلام کے سچا ہونے کی دلیل مانگ رہے ہیں، حالانکہ سب سے بڑی نشانی قرآن مجید ہے، لوگ کفر و ضلال اور ڈپریشن میں مبتلا ہیں جب کہ اہل ایمان اس سے اطمینان پاتے ہیں۔

ذکر الٰہی سے اعراض کے دو نقصان:

مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اللہ کے ذکر سے منہ پھیرنے والے کو لازمی طور پر دو حالتیں پیش آئیں گی :

1۔ دنیا میں اس کی زندگی ضیق (تنگی) میں پڑ جائے گی ،یعنی وہ بظاہر کتنا ہی نہال ہو جائے لیکن دل کی طمانیت اور روح کا انبساط اسے کبھی نہیں ملے گا۔

2۔ آخرت میں بینائی سے محروم ہو جائے گا۔ سعید انسانوں کی نگاہیں روشن ہوں گی، وہ جمال الٰہی کا نظارہ کریں گی، لیکن بینائی سے محروم لوگوں کو دیدار الٰہی سے روک دیا جائے اور ان کی نگاہوں پر ڈال دیا جائے گا، یہی اندھا پن ہو گا۔

﴿ وَ مَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلا ﴾(الاسراء:72)

”اور جو اس میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور راستے سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا ہو گا۔“

گناہوں کی دلدل اور مایوسی زندگی سے ایمانی سفر کا واقعہ:

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول ! مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹنے لگے اور اسے پیچھے ہٹانے لگے، لیکن نبی اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: میرے قریب آجاؤ، وہ آپ کے قریب جا کر بیٹھ گیا، نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تم اپنی والدہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے ؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم ! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی ماں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا: کیا تم اپنی بیٹی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے ؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم ! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی بیٹی کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا: کیا تم اپنی بہن کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے ؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم ! کبھی بھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی بہن کے لے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا: کیا تم اپنی پھوپھی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے ؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم ! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لوگ بھی اسے اپنی پھوپھی کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا: کیا تم اپنی خالہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے ؟ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم بھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی خالہ کے لیے پسند نہیں کرتے ، پھر رسول اکرم ﷺ نے ہم نے اپنا دست مبارک اس کے جسم پر رکھا اور دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ ، وَطَهِّرْ قَلْبَهُ ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ) فَلَمْ يَكُنْ بَعْدُ ذَلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلَى شَيْءٍ

”اے اللہ ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔“

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی کی طرف توجہ بھی نہیں کی ۔ (مسند أحمد: 22211)

نیند میں کمی، قانون الٰہی کی خلاف ورزی اور نفسیاتی مسائل:

ڈپریشن اور مایوسی کی بہت بڑی وجہ میڈیا اور انٹرنیٹ کا بکثرت اور بے تحاشہ استعمال ہے، نیند میں شدید کمی کی وجہ سے نفسیاتی مسائل اور چڑچڑا پن پیدا ہوتا ہے، انسان کے دل و دماغ پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ رات سونے اور دن کام کاج کے لیے بنایا ہے، نبی کریم ﷺ کی سنت بھی ہے کہ آپ نماز عشاء کے بعد جلد سو جاتے اور نماز تہجد کے لیے بیدار ہوتے تھے۔ لیکن آج کے انسان نے قانون الٰہی کے الٹ چلنا شروع کر دیا ہے، جس کے سبب زندگی بے سکون اور نفسیاتی مسائل کا شکار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴾ (الفرقان:74)

”اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس بنایا اور نیند کو آرام اور دن کو اٹھ کھڑا ہونا بنایا۔“

دجالی فتنوں سے بچیں اور ایمان کی فکر کریں

گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، دلوں کو سیاہ اور زنگ آلود کرتے ہیں، اندر سکون کے بجائے بے چینی ڈھیرے ڈال لیتی ہے۔ نفسیاتی بیماری کا زندگی پر اتنا گہرا اثر ہوتا ہے کہ اس کے بعد بندہ زندگی بھر مکمل ٹھیک ہو پاتا۔ اس لیے سکون حاصل کرنے اور نفسیاتی مسائل سے بچنے کے لیے سب سے زیادہ ایمان کی حفاظت کرنی چاہیے۔

دجالی فتنوں سے بچاؤ مسنون طرز زندگی میں ہے:

دجالی فتنوں سے بچنے کے لیے مسنون زندگی اور اسلامی طرز حیات کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص سورۃ الکہف کی ابتدائی یا آخری دس آیات کی تلاوت کرتا، انہیں یاد کرنا اور سمجھ کر پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دجالی فتنوں سے محفوظ فرمالے گا۔

سیدنا ابو درداء رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ

”جس نے سورۃ الکہف کی ابتدائی تین آیات پڑھیں وہ دجال کے فتنہ سے بچالیا گیا۔“

(صحیح سنن الترمذی: 2886)

سعادت و بشارت کی زندگی وحی الٰہی کی پیروی میں

ہے:

انسان کی سعادت وحی الٰہی اور قرآن مجید سے جڑی ہے، جو آسمانی ہدایت کی پیروی کرے گا وہ گمراہ نہیں ہو گا اور نہ ہی دکھی، بلکہ دو جہاں کی سعادتیں مقدر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اتارا ہی اس لیے کہ زندگی سے مایوسی، غم وملال اور تمام نفسیاتی بیماریاں ختم ہو جائیں اور سعادت وبشارت نصیب ہو۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴾(طٰہٰ:123)

" اب تمہارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا۔"

آخرت کی جنت کے لیے دنیا کی جنت حاصل کریں:

اگر آپ دل کا سکون اور روح کو جنت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو جنت کے خواب دیکھنے سے پہلے دنیا کی زندگی میں رزق حلال، بندوں کے حقوق ادا کرنا اور اپنی نئی نسل کا مستقبل سدھارنا ہو گا، ان کی تعلیم و تربیت اسلامی اصولوں پر کرنا ہو گی، اپنے آپ کو حقیقی ایمانداری سے جوڑنا ہو گا، اگر چہ یہ راستہ بہت کٹھن ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی ہے تو یہ راستہ ہر صورت حال میں عبور کرنا ہو گا۔

مذہب سے دوری اور بیزاری نفسیاتی مسائل کا باعث ہے:

مایوسی ، ناامیدی، پست حوصلہ ہونا یعنی ڈپریشن آج کے نوجوان کا بہت بڑا مسئلہ اور مرض ہے۔ لوگ اپنے نفسیاتی مسائل کے حل کے لیے ماہرین نفسیات کے پاس جا کر سیشن لیتے ہیں۔ سارے تجربات کے بعد لوگ اپنے نفسیاتی مسائل کے حل کے لیے مذہب کی طرف پلٹ رہے ہیں، آج کا انسان سکون کی تلاش میں سائنسی ترقی اور ٹیکنالوجی کی دنیا سے بیزار ہو کر مذہبی تعلیمات کی طرف پلٹ آیا ہے۔

یہی سکون کی حقیقت ہے، جس کے بارے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴾ (الرعد: 28)

"وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں ۔ سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔"

مایوسی اور ڈپریشن کا شرعی علاج

وسوسے اور فکری انتشار کا نبوی علاج:

نفسیاتی مسائل تبھی پیدا ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ پر توکل کمزور ہوتا ہے اور مخلوق سے کام ہونے کی امید لگائی جاتی ہے۔ دنیا کے اسباب کو اختیار ضرور کرنا چاہیے لیکن بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرنا چاہیے۔ ورنہ آپ نفسیاتی مسائل کا شکار ہوں گے۔ ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کی کہ مجھے نماز میں بہت زیادہ وسوسے آتے ہیں یعنی فکری انتشار کا شکار ہوں اور نماز صحیح طرح نہیں پڑھ پاتا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خَنْزَبٌ ، فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْهُ، وَاتْفِلْ عَلَى يَسَارِكَ ثَلَاثًا قَالَ: فَفَعَلْتُ ذَلِكَ فَأَذْهَبَهُ اللهُ عَنِّي عني

"اس شیطان کا نام خنزب ہے، جب تجھے اس شیطان کا اثر معلوم ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ اور (نماز کے اندر ہی) بائیں طرف تین بار تھوک لے۔ سیدنا عثمان بن ابو العاص نے کہا کہ میں نے ایسا ہی کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس شیطان کو مجھ سے دور کر دیا۔" (صحیح مسلم: 2203)

اسی طرح لاحول ولا قوۃ اِلا باللہ یہ کلمہ ہر قسم کی بے بسی اور نفسیاتی مسائل سے نکالتا ہے۔

اہل ایمان کا ماضی و مستقبل سب اللہ نے مقدر کر دیا ہے:

ہماری نوجوان نسل کو اپنے فیوچر کی بڑی فکر ہے، ماضی کا غم لے کر رونا اور مستقبل کو تعمیر کرنے کی فکر میں ہلکان ہو جانا مایوسی اور ناامیدی کا بڑا سبب ہے۔ حالانکہ اہل ایمان اپنی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارتے ہیں، یہی کامیابی اور دلی سکون کا ذریعہ ہے۔ یہی بہترین نتیجے کی دلیل ہے۔ جس کے بارے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَيكُمْ ﴾(الحدید:23)

"تاکہ تم نہ اس پر غم کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس پر پھول جاؤ جو وہ تمہیں عطا فرمائے۔"

رزق کا ذمہ اللہ نے لیا ہے، محنت کرنا ہمارے ذمے ہے:

مومن بندے کا فرض ہے کہ وہ ایسے حلال وسائل و ذرائع اختیار کرے کہ خود کو بھوک، بیماری اور غربت سے بچا سکے۔ وہ ان اسباب کی فراہمی میں ہرگز کوتاہی نہ کرے اور پھر معاملے کو اللہ پر چھوڑ دے۔ وہ ڈر اور خوف کے ساتھ زندگی نہ گزارے، رزق اول و آخر اللہ کے قبضے میں ہے۔ بلا وجہ خوف اور فکر مندی انسان کو ڈپریشن میں مبتلا کرتی ہے۔ ڈر اور تقویٰ صرف اللہ کا ہونا چاہیے۔ اس لیے اللہ ہی ہمارے اعمال وافعال کو اور ظاہر و باطن کو جانتا ہے، صرف اس سے ڈرنا چاہیے، اس کے سوا کسی سے مت ڈرو۔ جان لینا چاہیے کہ اطاعت میں سعادت و کمال ہے اور نافرمانی و معصیت میں شقاوت و نقصان اور ہمیشہ کی بے چینی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكَأَيِّن من دَابَّةٍ لا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (العنکبوت:60)

"اور کتنے ہی چلنے والے (جاندار) ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے، اللہ انھیں رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"

قرآن کی تلاوت، رحمت الٰہی کا نزول اور دل کو سکون دیتی ہے:

قرآن کریم مسلمانوں کی تربیت حق پر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ حلال و حرام دونوں واضح ہیں۔ انسان کو شبہات سے بچنا چاہیے اور خالق کی فرمان برداری کو چھوڑ کر لوگوں کی فرماں برداری نہ کرنا چاہیے۔ اللہ کی پرواہ کرنے سے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے، یہی مایوسی کا علاج اور امید افزا حقیقت ہے۔

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّلِحَتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾ (الإسراء:9)

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔ جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں انھیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔"

دوسرے مقام پر قرآن خاموشی کے ساتھ پوری توجہ سے سنے پر رحمت الٰہی کے نازل ہونے کے بارے فرمایا:

﴿وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الاعراف:204)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑنا، مایوسی کا بہترین علاج ہے:

قرآن مجید اور سنت رسول میں ہر قسم کے شر، نقصان اور ڈپریشن سے بچنے کے لیے تعوذ باللہ کا حکم ہے، جب بندہ اللہ کی پناہ اور عافیت میں آجاتا ہے تو کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، یہی یقین انسان کو مایوسی سے نکال دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾(الاعراف: 200)

"اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ تجھے ابھار ہی دے تو اللہ کی پناہ طلب کر، بے شک وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"

دوسرے مقام پر یوں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾ (الاعراف:200)

"یقیناً جو لوگ ڈر گئے، جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی (برا) خیال چھوتا ہے وہ ہشیار ہو جاتے ہیں، پھر اچانک وہ بصیرت والے ہوتے ہیں۔"

لیکن کافر، مشرک اور قرآن سے اعراض کرنے والوں کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت کے وقت شور کرتے اور اپنے شیطان سے ساتھیوں کہتے تھے:

﴿لا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ﴾ (فصلت:126)

"یہ قرآن مت سنو اور شور کرو۔"

رحمت الٰہی کے مستحق بننے کے لیے قرآن سننا، پڑھنا، غور و فکر کرنا اور اس کا سیکھنا و سیکھانا ضروری ہے۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا ہے کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسرے کو سیکھائے۔

قرآن مجید کے ساتھ تعلق کی ہر صورت انسان کو ڈپریشن، مایوسی اور ناامیدی سے نکال کر روشنی اور نور وحی کی طرف لاتی ہے، جس سے زندگی کے مسائل حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے غموں، دکھوں، وسوسوں اور ڈپریشن کا علاج وشفا مسنون طریقے اور قرآن مجید کے ذریعہ کریں، خود کو بدلنے، تائب ہونے، گناہ سے نیکی اور خواہش پرستی سے شریعت کی تابعداری کے مطابق زندگی گزارنے کی فکر نصیب فرمائے۔ آمین

☆☆☆

آب زر سے لکھنے کے قابل

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

روئے زمین پر کوئی بدعتی ایسا نہیں سوائے کے کہ اللہ تعالی اس پر اس کی بدعت کی وجہ سے ذلت و رسوائی مسلط کر دیتا ہے۔

یہ بات میں نے کہتا بلکہ اللہ کی کتاب سے ثابت ہے۔

لوگوں نے پوچھا: اللہ کی کتاب میں یہ بات کہاں لکھی ہے؟ فرمایا:

کیا تم نے اللہ کا فرمان نہیں سنا:

"جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا وہ ضرور اپنے رب کے غضب میں گرفتار ہو کر رہیں گے اور دنیا کی زندگی میں ذلیل ہوں گے۔" (سورۃ الأعراف152)

لوگوں نے کہا:

اے ابو محمد، یہ سزا تو بچھڑے کو معبود بنانے والوں کے لئے ہے۔ فرمایا:

نہیں! آیت اگلا حصہ بھی پڑھیں:

"جھوٹ گھڑنے والوں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔" (الأعراف152)

یہ سزا ہر صاحب بدعت اور جھوٹ گھڑنے والے کے لئے ہے۔

(شعب الإيمان: 7/72، حلية الأولياء: 7/280)

☆☆☆



شوہر کے حقوق کے بارے میں ایک روایت

علماء الدعوة السلفیہ کے مجموعہ میں حضرت ابوسعید الخدری سے منسوب ایک روایت کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی اپنی بیٹی کو لے کر نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری یہ بیٹی شادی کرنے سے انکار کرتی ہے، نبی کریم ﷺ نے کہا: تم اپنے باپ کی اطاعت کرو، تو وہ کہنے لگی: نہیں! جب تک کہ تم مجھے یہ نہ بتادو کہ ایک شوہر کے بیوی پر کیا حقوق ہوتے ہیں تو انہوں نے کہا:

حَقُّ الزَّوْجِ عَلَى زَوْجَتِهِ أَنْ لَوْ كَانَتْ لَهُ قُرْحَةٌ فَلَحِسَتْهَا مَا أَدَّتْ حَقَّهُ.

زاد بعض الرواة: أَوِ انْتَثَرَ مَنْخِرَاهُ صَدِيدًا أَوْ دَمًا ، ثُمَّ ابْتَلَعَتْهُ مَا أَدَّتْ حَقَّهُ ، فَقَالَتْ : وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ ، لا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : لا تُنْكِحُوهُنَّ إِلا بِإِذْنِهِنَّ.

شوہر کا حق بیوی پر یہ ہے کہ اگر اس کے (جسم پر) پھوڑا نکل آئے تو وہ اسے چاٹ لے یا اس کے نتھنوں سے پیپ یا خون بہے اور وہ اسے چاٹ لے تب بھی اس کا حق نہیں ادا کر سکتی۔“

تب اس نے کہا: اس کی قسم، جس نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گی، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کی مرضی کے بغیر ان کی شادی نہ کرو۔“

جواباً ایک صاحب علم نے اس حدیث کی تخریج کرتے ہو لکھا کہ یہ روایت حدیث کی کئی کتابوں میں آئی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

(مصنف ابن ابی شیبہ: 17407، النسائی، السنن الکبریٰ، حدیث نمبر 5386، البزار: 1465، البیہقی: 7/ 291، الحاکم: 2/ 188، ابن حبان: 4165، الدار قطنی: 3/ 237)

اور ان تمام محدثین کی اسناد ربیعہ بن عثمان تک پہنچتی ہیں جو محمد بن یحییٰ سے، وہ نہار العبدی ہے، اور وہ حضرت ابوسعید الخدری سے روایت کرتے ہیں۔ شیخ البانی اور شیخ شعیب ارناؤوط (ابن حبان پر اپنے تحقیقی نوٹ میں) کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد حسن ہے، اس کے راوی صحیح احادیث کے راوی ہیں، سوائے ربیعہ بن عثمان کے، اُن کی ایک روایت صحیح مسلم میں آئی ہے، لیکن محدثین ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔

ابن معین، ابن نمیر اور الحاکم نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔

النسائی کہتے ہیں: "لیس به بأس."

ان سے روایت کرتے ہیں کوئی حرج نہیں۔

مؤلف نے انہیں ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے لیکن یہ بھی کہا ہے:

"ولیس بذالك القوی."

”اتنے قوی بھی نہیں۔“

ابو حاتم نے کہا:

"منکر الحدیث ، یکتب حدیثه."

”حدیث کے اعتبار سے منکر ہیں، لیکن ان کی حدیث لکھی جاتی ہے۔“

میں نے اختصار کے ساتھ اس حدیث کے بارے میں ایک دوسری تحقیق کا حوالہ دیا تھا، جواب میں تفصیل کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

اور وہ یہ کہ جہاں الحاکم نے اس روایت کو یہ کہہ کر پیش کیا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شروط کے مطابق ہے لیکن انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں شامل نہیں کیا، لیکن اسے صحیح قرار دیتا ہوں، کو الذہبی نے ابو حاتم کے الفاظ یعنی ربیعہ بن عثمان منکر الحدیث ہیں، نقل کرتے ہوئے ان کارد کر دیا۔

ہمعصر علماء میں سے شیخ البانی کی رائے آ چکی ہے۔

ایک دوسرے عالم ڈاکٹر یوسف بن عبد اللہ الجدیع نے اپنی کتاب ’تحریر علوم الحدیث‘ میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔ پہلے ہم ان کی تحریر کا خلاصہ پیش کیے دیتے ہیں، پھر اپنی گذارشات عرض کریں گے۔

مولف نے باب کا عنوان باندھا ہے:

" علامات لکشف العلة من منهج المتقدمين."

یعنی حدیث کی علت کو ظاہر کرنے والی علامات کا بیان متقدمین کا منہج رہا ہے اور پھر اسے کے اسباب گنواتے ہوئے ساتواں سبب یہ ٹھہرایا ہے کہ

حدیث کے منکر ہونے پر ایک علامت یہ بھی ہے کہ محدث اسے بڑھ کر اپنے دل میں انقباض محسوس کرے کہ ایسے الفاظ وحی اور نبوت کے الفاظ سے مناسبت نہیں رکھتے۔

اس مبحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے اقوال کثرت سے پڑھتا رہا ہو، یہاں تک کہ اس کی زبان ان کے ذکر کی عادی ہو چکی ہو اور پھر یکدم وہ ایسے الفاظ دیکھے کہ اس کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہو کہ ایسے کلام کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرنا بڑا مشکل نظر آتا ہے اور پھر وہ اس کی علت کی

جستجو میں لگا رہے، یہاں تک کہ وہ اسکے لئے ظاہر ہو جائے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی خواہش یا اپنے مزاج کی بنا پر ایسا کرے، کیونکہ ایسا کرنا رائے کو جنم دینا ہے، جو کہ غلط ہو سکتی ہے۔

مثال کے طور پر حضرت ابو سعید الخدری کی طرف منسوب روایت اور اس روایت کے الفاظ ایک مدت تک کہ میرے لیے وحشت کا سبب بنے رہے، یہاں تک مجھے اس کی علت سمجھ میں آ گئی تو اطمینان قلب حاصل ہوا۔

اور جہاں تک میں نے شوہر اور بیوی کے حقوق کے بارے میں سنت نبوی کا مطالعہ کیا ہے، تو اس قسم کے غیر مانوس الفاظ احادیث مبارکہ میں نظر نہیں آئے، وہ اس لیے کہ آپ کی زبان مبارک سے حکمت کے موتی پھوٹتے رہے ہیں جو جوامع الکلم کا روپ دھار لیتے ہیں۔

اور میں جب قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے اسی جامع قول پر نظر پڑتی ہے:

(ولَهُنّ مثل الذي عليهن بالمعروف) (البقرۃ:228)

”اور ان کے لئے معروف کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر واجبات عائد کئے گئے ہیں۔“

اس آیت میں زوجین کے باہمی حقوق کو انتہائی مختصر مگر جامع انداز میں بیان کر دیا گیا اور پھر مذکورہ حدیث کی علت صرف یہی نامانوس الفاظ ہی نہیں بلکہ اس کی سند میں ایک راوی ربیعہ بن عثمان بھی ہیں۔

محدث البزار ان کے بارے میں کہتے ہیں: یہ حدیث ہمارے علم میں سوائے اس ایک اسناد کے وارد نہیں ہوئی اور ربیعہ سے روایت کرنے والے صرف جعفر ہیں۔

الحاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے لیکن الذہبی نے ربیعہ کے بارے میں محدثین کے اقوال کو دیکھتے ہوئے الحاکم پر تنقید کی ہے۔

میں ایک مدت تک اس خیال سے کہ صحیح مسلم کی ایک روایت انہی راوی سے منقول ہوئی ہے: اور وہ ہے:

"المؤمن القوى خير أحب إلى الله من المؤمن الضعيف ..."

کہ جسے انہوں نے محمد بن یحییٰ بن حبان سے روایت کیا ہے، تو میرا رجحان اس حدیث کو قبول کرنے کی طرف رہا۔

لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ مسلم میں بعض دفعہ ایک ایسے راوی کی روایت کو بھی قبول کر لیتے ہیں جو اصلاً تو ثقہ قرار دیے گئے ہیں لیکن ان کے بارے میں تنقید بھی کی گئی ہے، تو وہ ایسے راوی کی اسی حدیث کو لیتے ہیں جو ان کے نزدیک قابل اعتبار ہوتی ہے، لیکن اس روایت کا معاملہ جدا ہے، یہ فرد مطلق والی اسناد کی حامل ہے، یعنی صرف ایک راوی ہیں جعفر جو ربیعہ سے روایت کر رہے ہیں۔

ربیعہ کے بارے میں یحییٰ بن معین اور محمد بن سعد نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں۔

النسائی کہتے ہیں :

"ليس به بأس."

”ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“

مگر ابو زرعہ الرازی کہتے ہیں:

"إلى الصدق ما هو ، وليس بذاك القوى."

”سچائی کے قریب ہیں لیکن اتنے قوی بھی نہیں۔“

ابو حاتم الرازی کہتے ہیں :

" منكر الحديث ، يكتب حدثيه ."

اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر جرح کے الفاظ واضح ہوں کہ یہ جرح کس بنا پر ہے تو اس سے تعدیل (یعنی قابل اعتماد قرار دیئے جانے والے اقوال) پر ترجیح دی جائے گی۔ ایسے شخص کا اگر تفرد (تنہا راوی ہو) زائل ہو جائے یعنی ویسی ہی روایت دوسرے طریق سے بھی روایت کرتے ہوں یا اس کی اصل کسی دوسرے طریق بھی وارد ہوئی ہو تو زیادہ سے زیادہ اُسے حسن قرار دیا جائے گا۔“ (تحریر علوم الحدیث 2/ 757-760)

ہم ان کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں:

1۔ سند کے علاوہ کیا ایسے خارجی امور بھی ہیں جو ایک حدیث کی جانچ کے لئے قابل قبول ہوں؟

2۔ اگر کوئی راوی (جیسے ربیعہ بن عثمان) صحیحین کے رجال میں سے ہو کیا اس کی باقی روایات کو (جو دوسری کتابوں میں بیان ہوئی ہوں) لازمی طور پر صحیح قرار دیا جا سکتا ہے؟

3۔ کیا اس حدیث کے لئے کوئی دوسری روایت بطور شاہد آئی ہے؟

4۔ اگر روایت 'فرد مطلق' کے حکم میں ہو یعنی اس کی ایک ہی سند ہو اور دوسرے کسی طریق سے وارد نہ ہوئی ہو، تو جس راوی پر اس حدیث کا دارومدار ہو تو اسے کیسے پرکھا جائے گا؟

5۔ اگر ایک روایت کے راوی پر معدلین اور جارحین دونوں کے اقوال موجود ہوں، تو کس قول کو ترجیح دی جائے گی؟

6۔ گو شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے لیکن کیا انہوں نے متن کی نکارت (غیر مانوس عبارت) کے سبب کسی حدیث کو ضعیف یا موضوع ٹھہرایا ہے؟

اب آیئے ان نکات پر اختصار کے ساتھ میری گزارشات ملاحظہ ہوں:

1۔ جوابات اس سے قبل شیخ عبد اللہ الجُدیع نے حدیث کے متن کی بابت کی ہے، اس کی وضاحت کے لئے چند ائمہ کے اقوال پیش خدمت ہیں :

امام ابن القیم ارشاد فرماتے ہیں:

”ان سے سوال کیا گیا کہ آیا بغیر سند کی طرف دیکھے ایک حدیث پر موضوع کا کا حکم لگایا جا سکتا ہے تو انہوں نے کہا:

”یہ ایک اچھا سوال ہے، اس کی پہچان وہی کر سکتا ہے جو صحیح روایات کا اتنا شناسا ہو کہ وہ اس کا اوڑھنا بچھونا بن چکی ہوں اور پھر اس میں اتنی استعداد پیدا ہو چکی ہو کہ وہ سنن اور آثار کو پہچان سکتا ہو، رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو خوب جانتا ہو، آپ کے ان ارشادات کو خوب سمجھتا ہو کہ کس بات کا حکم دیا گیا ہے اور کس بات سے روکا گیا ہے، وہ کس کی دعوت دے رہے ہیں، کیا پسند کرتے ہیں اور کیا ناپسند، امت کے لیے کونسی بات بحیثیت شریعت بتا رہے ہیں اور کونسی نہیں؟

گویا کہ وہ انہیں ایسے دیکھتا ہے، جیسے کہ وہ صحابہ کرام کے درمیان موجود ہو، ایسا شخص پھر ان کے ارشادات، ان کے احوال، ان کے کلام، اقوال، افعال کو اسی طرح جان لیتا ہے کہ یہ پرکھ سکے کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے؟

اور یہی صورتحال ہر امام کی اپنے مقتدیوں کے ساتھ ہوتی ہے کہ اس میں جو جتنا امام سے قریب ہوگا، اس کے اقوال و افعال کی پیروی کرنے میں آگے آگے ہوگا۔

یہ جاننا ہوگا کہ جو کچھ اس کے امام کی طرف منسوب کیا جارہا ہے، اس میں کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے اور جو اس مرتبے کا نہ ہو تو وہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔

(جمال الدین القاسمی: قواعد التحدیث:164)

ابن القیم اپنی کتاب " المنار المنیف میں موضوع حدیث کی پہچان کے بارے میں لکھتے ہیں :

"ومنها سَماجة الحديث، وكونه مما يُسخر منه."

’اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ قبیح ہوں بلکہ اس کا مذاق بنے۔

جیسے یہ حدیث کہ

اگر چاول آدمی ہوتا تو بڑا بردبار ہوتا، کوئی بھوکا اسے جب بھی کھاتا سیر ہو کے اٹھتا۔

یہ کلام بالکل غیر مناسب ہے کہ ایک عاقل سے بھی اس کی توقع نہیں کی جا سکتی چہ جائیکہ سید الانبیاء کی طرف اس کی نسبت کی جائے۔(ص54)

ابن دقیق العید کہتے ہیں :

اکثر دفعہ محدثین روایت اور اس کے الفاظ کو دیکھ کر اس روایت کے موضوع ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور وہ اس لئے کہ احادیث اور سنن کا وہ کثرت سے مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی نفسیاتی ہیئت ایسی ہو جاتی ہے یا ان میں اتنا قوی ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ایک کلام کو دیکھ کر یہ بتا سکتے ہیں کہ کون سے الفاظ نبی کریم ﷺ کے ہیں اور کون سے نہیں ہیں۔

(قواعد التحدیث:ص165)

خطیب بغدادی، تابعی جلیل الربیع بن خیثم کا قول نقل کرتے ہیں :

”حدیث کے اوپر روشن دن کا سا سماں ہوتا ہے کہ جس سے وہ پہچانی جاتی ہے، اور یا پھر اس پر رات کی تاریکی سایہ فگن ہوتی ہے کہ وہ پہچانی نہیں جاتی ۔

(ص165)

ابن القیم یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر ایک روایت قرآن کے صریح الفاظ سے مطابقت نہ رکھتی ہو تو وہ بھی اس کے موضوع ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس ضمن میں انہوں نے صحیح مسلم کی ایک روایت پیش کی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب کی گئی ہے، اور وہ یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا: اللہ عزوجل نے مٹی (یعنی زمین) کو ہفتے کے دن پیدا کیا، اتوار کے دن اس میں پہاڑوں کو پیدا کیا، اور پیر کے دن درختوں کو پیدا کیا، مکروہ کو منگل کے دن پیدا کیا اور بدھ کے دن نور کو پیدا کیا اور جمعرات کے دن اس میں جانور پھیلا دیئے اور سب سے آخری مخلوق آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعتوں میں، عصر اور رات کے درمیان پیدا کیا۔“ (حدیث نمبر2789)

کہا کہ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے لیکن قرآن نے صریحاً بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے:

(اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ) (السجدة:4) اور یہی مضمون الاعراف:54، یونس : 3، ہود:7، الفرقان: 59، الحدید: 4 اور ق:38 میں بھی بیان ہوا ہے۔)

امام بخاری نے اس حدیث کے بارے میں یہ حکم لگایا ہے کہ یہ قول اصلا کعب الاحبار کا ہے کہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

(الفتاوی : 18/ 18)

اور یہی بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے ۔ (جاری)

☆☆☆

اقوال سلف

علامہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا :

سلف صالحین کہا کرتے تھے:

دنیا کی مصیبتوں سے اگر واسطہ نہ پڑے تو قیامت کے دن آدمی کا شمار مفلسوں میں ہوگا۔

(زاد المعاد:176/4)

علامہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا :

بہترین روزہ دار وہ ہیں جو کثرت سے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ (الوابل الصیب:104)

☆☆☆



صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ کی کرامات

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی

(قسط 21)

ابو عبد اللہ حضرت امام بخاری نے کہا کہ لیث نے بیان کیا، ان سے جعفر بن ربیعہ نے بیان کیا، ان سے عبد الرحمٰن بن ہرمز نے اور ان سے ابوہریرہ نے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے بنی اسرائیل کے ایک دوسرے آدمی سے ایک ہزار دینار قرض مانگے ، انہوں نے کہا کے پہلے ایسے گواہ لا جن کے گواہی پر مجھے اعتبار ہو، قرض مانگنے والا بولا کہ گواہ تو بس اللہ ہی کافی ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اچھا کوئی ضامن لا، قرض مانگنے والا بولا کہ ضامن بھی اللہ ہی کافی ہے ، انہوں نے کہا کہ تو نے سچی بات کہی، چنانچہ اس نے ایک مقرر مدت کے لئے اس کو قرض دے دیا، یہ صاحب قرض لے کر دریائی سفر پر روانہ ہوئے اور اپنی ضرورت پوری کر کے کسی سواری کشتی وغیرہ کی تلاش کی تا کہ اس سے دریا پار کر کے اس مقررہ مدت تک قرض دینے والے کے پاس پہنچ سکے جو اس سے طے پائی تھی اور اس کا قرض ادا کر دے لیکن کوئی سواری نہیں ملی، آخر اس نے ایک لکڑی لی اور اس میں سوراخ کیا۔ پھر ایک ہزار دینار اور اس مضمون کا خط اس کی طرف سے قرض دینے والے کے پاس پہنچ سکے۔ جو اس سے طے پائی تھی اور اس کا قرض ادا کر دے لیکن کوئی نہیں ملی، آخر اس نے ایک لکڑی لی اور اس میں سوراخ کیا، پھر ایک ہزار دینار اور ایک اس مضمون کا خط اس قرض دینے والے کی طرف یہ دینار بھیجے جا رہے ہیں اور اس کا منہ بند کر دیا اور اسے دریا پر لے آئے، پھر کہا: اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لیا تھا، اس نے مجھ سے ضامن مانگا، میں نے کہہ دیا تھا کہ میرا ضامن اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بھی تجھ پر راضی ہو گیا۔ اس نے مجھ سے گواہ مانگا تو اس کا جواب میں نے یہی دیا کہ اللہ پاک گواہ کافی ہے، تو وہ تجھ پہ راضی ہو گیا اور تو جانتا ہے کہ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی سواری ملے کہ جس کے ذریعہ میں اس کا قرض اس تک مدت مقررہ میں پہنچا سکوں لیکن مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی، اس لئے اب میں اس کو تیرے ہی حوالے کرتا ہوں کہ تو اس تک پہنچا دے، چنانچہ اس نے وہ لکڑی جس میں رقم تھی دریا میں بہا دی، اب وہ دریا میں اور وہ صاحب قرض دار واپس ہو چکے تھے اگرچہ اب بھی یہی تھا کہ کسی طرح کوئی جہاز ملے جس کے ذریعہ وہ اپنے شہر میں جا سکیں، دوسری طرف وہ صاحب جنہوں نے قرض دیا تھا، اسی تلاش میں بندرگاہ آئے کہ ممکن ہے کوئی جہاز ان کا مال لے کر آیا ہو، لیکن وہاں انہیں ایک لکڑی ملی، وہی جس میں مال تھا، انہوں نے وہ لکڑی اپنے گھر کے ایندھن کے لئے اٹھا لی لیکن جب اسے چیرا تو اس میں سے دینار نکلے اور ایک خط بھی نکلا، کچھ دنوں بعد جب وہ صاحب اپنے شہر آئے تو قرض خواہ کے گھر آئے اور یہ خیال کر کے کہ شاید وہ لکڑی نہ مل سکی ہو ، دوبارہ ایک ہزار دینار ان کی خدمت میں پیش کر دیئے اور کہا، قسم اللہ کی میں تو برابر اسی کوشش میں رہا کہ کوئی جہاز ملے تو تمہارے پاس تمہارا مال لے کر پہنچوں، لیکن اس دن سے پہلے جبکہ میں یہاں پہنچنے کے لئے سوار ہوا مجھے اپنی کوششوں میں کامیابی نہیں ہوئی، پھر انہوں نے پوچھا، اچھا یہ تو بتاؤ کوئی چیز کبھی تم نے میرے نام بھیجی تھی؟ مقروض نے جواب دیا، بتا تو رہا ہوں آپ کو کہ کوئی جہاز مجھے اس جہاز سے پہلے نہیں ملا جس سے آج پہنچا ہوں، اس پر قرض خواہ نے کہا کہ پھر اللہ نے بھی آپ کا وہ قرض ادا کر دیا جسے آپ نے لکڑی میں بھیجا تھا۔

چنانچہ وہ صاحب اپنے ہزار دینار لے کر خوشی خوشی واپس لوٹ گئے۔

تشریح: حدیث میں مذکورہ واقعہ اس قابل ہے کہ اس سے عبرت حاصل کی جائے ۔ اگرچہ یہ دنیا دار الاسباب ہے اور یہاں ہر چیز ایک سبب سے وابستہ ہے ۔ قدرت نے اس کارخانۂ عالم کو اسی بنیاد پر قائم کیا ہے مگر کچھ چیزیں مستثنیٰ بھی وجود پذیر ہو جاتی ہیں۔

ان ہر دو میں سے قرض لینے والے نے دل کی پختگی اور ایمان کی مضبوطی کے ساتھ محض ایک اللہ پاک ہی کا نام بطور ضامن اور کفیل پیش کر دیا، کیونکہ اس کے دل میں قرض کے ادا کرنے کا یقینی جذبہ تھا اور وہ قرض حاصل کرنے سے قبل عزم مصمم کر چکا تھا کہ اسے کسی نہ کسی صورت بالضرور واپس کرنا ہو گا، اسی عزم مصمم کی بنا اس نے یہ قدم اٹھایا، حدیث میں اسی لئے فرمایا گیا ہے جو شخص قرض لیتے وقت ادائیگی کا عزم صمیم رکھتا ہے۔ اللہ پاک ضرور اس کی مدد کرتا اور اس کا قرض ادا کرا دیتا ہے اسی لئے ادائیگی کے وقت وہ شخص کشتی کی تلاش میں ساحل بحر پر آیا کہ سوار ہو کر وقت مقررہ پر قرض ادا کرنے قرض خواہ کے گھر حاضر ہو جائے مگر اتفاق کہ تلاش بسیار کے باوجود اس کو سواری نہ مل سکی اور مجبوراً اس نے قرض کے دینار ایک لکڑی کے سوراخ میں بند کر کے

اور اس کے ساتھ تعارفی پرچہ رکھ کر لکڑی کو دریا میں اللہ کے بھروسہ پر ڈال دیا۔

اس نے یہ عزم کیا ہوا تھا کہ لکڑی کی یہ رقم اگر اس قرض خواہ بھائی کو اللہ وصول کرادے تو فبہا ورنہ وہ جب وطن لوٹے گا تو اس کو یہ رقم دوبارہ ادا کردے گا، ادھر وہ قرض دینے والے ساحل بحر پر کسی آنے والی کشتی کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ بھائی وقت مقررہ پر اس کشتی سے آئیں اور رقم ادا کریں، مگر وہ بھی ناکام ہو کر جا ہی رہے تھے کہ اچانک دریا میں اسی بہتی ہوئی لکڑی پر نظر جا پڑی اور انہوں نے ایک عمدہ لکڑی جان کر ایندھن وغیرہ کے خیال سے اسے حاصل کر لیا، گھر لے جانے پر اس لکڑی کو کھولا تو حقیقت حال سے اطلاع پا کر اور اپنی رقم وصول کر کے مسرور ہوئے چونکہ ادا کرنے والے حضرت کو وصولی کی اطلاع نہ تھی وہ احتیاطاً وطن آنے پر دوبارہ یہ رقم لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تفصیلات سے ہر دو کو علم ہوا اور دونوں بے انتہا مسرور ہوئے۔

یہ توکل علی اللہ کی وہ منزل ہے جو ہر کسی کو نہیں حاصل ہوتی، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا تھا کہ اپنے اونٹ رات کو خوب مضبوط باندھ کر اللہ پر بھروسہ رکھو کہ اسے کوئی نہیں چرائے گا۔

گفت پیغمبر با آواز بلند
بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

آج بھی ضرورت ہے کہ قرض حاصل کرنے والے مسلمان اس عزم صمیم و توکل علی اللہ کا مظاہرہ کریں کہ وہ اللہ کی توفیق سے ضرور ضرور قرض کی رقم جلد ہی واپس کریں گے۔ وہ ایسا کریں گے تو اللہ بھی ان کی مدد کرے گا اور ان سے ان کا قرض ادا کرا دے گا۔

اس حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یعنی اس حدیث میں جواز ہے کہ قرض میں وقت مقرر کیا جائے اور وقت مقررہ پر ادائیگی کا وجوب بھی ثابت ہوا اور اس سے بنی اسرائیل کے عجیب واقعات کا بیان کرنا بھی جائز ثابت ہوا اور اس سے عبرت حاصل کی جائے اور ان کی اقتدا کی جائے اور اس سے دریائی تجارت کا بھی ثبوت ہوا اور دریائی سواریوں پر سوار ہونا بھی، اور اس سے بھی ثابت ہوا کہ کاتب شروع میں اپنا نام لکھے اور اس سے قرض کے متعلق گواہوں کا طلب کرنا اور اس کے کفیل کا طلب بھی ثابت ہوا اور اس سے توکل علی اللہ کی فضیلت بھی نکلی اور یہ بھی کہ جو حقیقی صحیح متوکل ہو گا، اللہ پاک اس کی مدد اور نصرت کا ذمہ دار ہوتا ہے، خود قرآن پاک میں ارشاد باری ہے:

(ومن يتوكل على الله فهو حسبه)

جو اللہ پر توکل کرے گا اور اس کے لئے کافی وافی ہے۔

(صحیح بخاری، باب الکفالۃ فی القرض والدیون بالابدان وغیرھا، ترجمہ اور تشریح کے بعض اقتباسات علامہ محمد داؤد راز دھلوی)

☆☆☆

شرک کالی چیونٹی سے بھی زیادہ مخفی

سیدنا معقل بن یسار کہتے ہیں:

میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

اے ابو بکر شرک لوگوں کے اندر کالی چیونٹی کی طرح چھپا ہوا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو الہ ماننے کے علاوہ بھی کوئی عمل شرک ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قسم ہے اس ذات کی جس قبضے میں میری جان ہے، شرک کالی چیونٹی سے بھی زیادہ مخفی ہے۔

کیا میں تمہیں بتاؤں ایسی دعا جس کی بدولت تم چھوٹے اور بڑے ہر شرک سے محفوظ رہ سکتے ہو۔

تم کہا کرو:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ وَأَنَا أَعْلَمُ، وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں جان بوجھ کر شرک کروں اور تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ اس شرک سے جسے میں انجانے میں کروں۔

(رواه البخاري في الأدب المفرد (739)، وصححه الألباني)

☆☆☆

اللہ کے متعلق بدگمانیاں کیا ہیں؟

علامہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

بیشتر لوگ اللہ تعالی کے متعلق برا گمان رکھتے ہیں۔

بیشتر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بد نصیب ہیں، ان کا نصیب اچھا نہیں، انہیں جو کچھ ملا ہوا ہے، اس سے زیادہ کے مستحق ہیں. ان کا رزق تنگ ہے۔

بعض کا خیال ہوتا ہے کہ وہ حسد کا شکار ہیں۔ انہیں لوگوں کی نظر بد لگی ہے۔

یہ سب اللہ تعالی کے متعلق بدگمانیاں ہیں۔

(زاد المعاد: 3 / 235)

☆☆☆

تاریخ اہل حدیث

ڈاکٹر بہاء الدین

سید احمد شہید بریلوی ؒ

سید احمد رائے بریلی کے رہنے والے تھے اور ان کا خاندان صوفیاء کا خاندان تھا جس کے مورث اعلی شاہ علم اللہ کی خانقاہ تکیہ شاہ علم کے نام سے مشہور تھی۔ ان کے نانا شاہ ابو سعید، شاہ ولی اللہ کے فیض یافتگان میں سے تھے۔ سید احمد بچپن میں یتیم ہو گئے تھے۔ رسمی علوم حاصل کئے بغیر تلاش روز گار میں لکھنؤ چلے گئے لیکن وہاں شیعیت، بدعات وغیرہ کا زور ہونے کے باعث وہاں کی فضا سے بددل ہو کر دہلی چلے گئے اور شاہ عبد العزیز کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے اور سلوک و تصوف میں بلند مرتبہ ہو گئے۔ پھر تلاش معاش میں نواب امیر علی خان کی فوج میں بھرتی ہو گئے لیکن جب نواب امیر علی خان کی پالیسیوں سے اختلاف ہوا تو فوج کی ملازمت چھوڑ کر 1816ء میں واپس دہلی چلے گئے جہاں شاہ اسماعیل اور مولوی عبد الحی بڈھانوی نے آپ سے بیعت کر لی۔ (شاہ اسماعیل آپ سے 8 سال اور مولوی عبد الحی 10 سال بڑے تھے)۔

1818ء (1231ھ) میں آپ نے 25 ساتھیوں کے ساتھ پہلا تبلیغی دورہ کیا۔ ہمراہیوں میں شاہ اسماعیل اور مولانا عبد الحی کے علاوہ شاہ ولی اللہ کے بھتیجے مولوی محمد یوسف، مولوی وجیہ الدین سہارنپوری، مولوی وحید الدین پھلتی، انکے بھائی حافظ قطب الدین پھلتی، حکیم مغیث الدین سہارنپوری، شاہ ابو سعید شامل تھے۔ آپ کا تبلیغی قافلہ غازی الدین نگر، مراد نگر، میرٹھ (دس روز قیام رہا)، بڑھانہ، پھلت (17 روز رہے)، مظفر نگر، دیوبند (اس علاقے میں ایک ہفتہ سے زائد قیام رہا)، سہارن پور، گڈھ مکیتسر، رام پور، بریلی، شاہ جہان پور گیا۔ اس دورے پر چار ماہ صرف ہوئے اور قافلے کی تعداد 25 سے بڑھ کر 50 ہو گئی۔ پھر رائے بریلی میں چند ماہ قیام کیا جہاں مزید لوگ قافلے میں شامل ہوئے اور تعداد 170 تک پہنچ گئی۔ وہاں سے الہ آباد کا رخ کیا اور راستے میں جگہ جگہ قیام کرتے ہوئے (چار دن کا سفر ایک ماہ میں طے کر کے) الہ آباد پہنچے۔ پھر وہاں سے کانپور، بنارس، سلطان پور ہوتے ہوئے پھر وطن آ گئے اور رائے بریلی میں دو ہفتے قیام کر کے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ لکھنؤ میں تقریباً تین ماہ قیام رہا۔ اس دورے میں آپ نے سماجی اصلاح اور رد شرک اور بدعات کی تردید کا خوب کام کیا۔ جہاں گئے وہاں عموماً اپنے بعد کے لئے کسی کو نائب مقرر کر جاتے پھر شاہ عبد العزیز کے پاس چند روز قیام کیا اور شعبان 1234ھ (1819ء) رائے بریلی کے قصد سے روانہ ہوئے۔ مئی جون کا موسم تھا۔ رام پور میں نواب احمد علی والی رام پور نے بھی بیعت کی۔ رائے بریلی میں چار ماہ قیام رہا۔ جناب عبد الحی بڈھانوی کے مسلسل وعظوں سے بدعات اور بداعمالیوں کی بہت اصلاح ہوئی۔

لکھنؤ میں اکبری درواز کے قریب میر مسکین کی حویلی میں فرمایا لیکن چونکہ یہ جگہ پونے دو سو اہل قافلہ کے لئے تنگ ثابت ہوئی اس لئے دریائے گومتی کے کنارے ٹیلے والی مسجد کے قریب شیخ امام بخش سوداگر کی حویلی میں منتقل ہو گئے۔ مرزا حسن علی بیگ محدث نے بھی ملاقات کی شہر کے تقریباً تمام علما مشائخ آپ سے بیعت ہوئے۔۔ مساجد میں تقاریر ہوتی رہیں لیکن بعض لوگوں نے لکھنؤ میں شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دینے کی کوشش کی اور آپ وہاں سے چلے آئے۔

سید احمد بریلوی نے گمراہ صوفیا پر سخت تنقید کی اور تصوف کو شریعت کے سانچے میں ڈھال کر اور جادہ عمل کی شکل میں پیش کیا۔ شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبد الحی نے (سید احمد بریلوی کے ملفوظات پر مبنی) صراط مستقیم نام کی کتاب لکھی جس میں اس دور کے روحانی امراض اور ان کے اصلاحی پروگرام کی تفصیلات ہیں۔ اس میں اعلان کیا گیا کہ:

تمام رسوم ہند و سند و فارس و روم مرکہ خلاف محمد عربی باشد یا زیادتی از طریقہ صحابہ شود ترک می نماید و انکار و کراہت براں اظہار کند۔ (صراط مستقیم کتب خانہ اشرفیہ دیوبند صفحہ 12)

اس کتاب میں اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ابتدائی دور کے ہندوستانی مسلمانوں کی جن خرابیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اس طرح ہیں:

1۔ شرع کی مخالفت اور کلام ملحدانہ اور اشغال قبیحہ شرک آمیز کی اشاعت۔ 2۔ خدا اور رسول کے متعلق کلمات بے ادبانہ کا صدور۔ 3۔ مسئلہ تقدیر میں غیر ضروری قیل و قال اور بحث و جدال کا اظہار

سید احمد اور ان کے احباب نے اس معاملہ میں توازن اختیار کرنے کا مشورہ دیا اور واضح کیا کہ خدا کی ہستی اور اس کی قدرت ایسے مسائل ہیں کہ ان میں منطق اور دلائل کی مدد سے انسان کسی یقینی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا اور ان مسائل پر ایمان بالغیب ہی عقل و سمجھ کا راستہ ہے۔ انہوں نے اس کی بجائے آیات الٰہی خدا کی مخلوق اور کائنات کے ٹھوس حقائق پر غور و خوض اور تلاش و تحقیق کرنے کا مشورہ دیا۔ ان حضرات نے مرشد کی تعظیم میں مبالغہ، قبروں پر سجدہ کرنے، اور مرادیں مانگنے، اور فضول خرچی و نذر نیاز سے روکا۔ شادی بیاہ اور ختنہ کے موقع پر دھوم دھام اور فضول رسموں کی ملامت کی۔ انہوں نے خانقاہیت اور گوشہ گیری کے بجائے مجاہدہ اور اجتماعی صلاح و فلاح کیلئے احباب کو تیار کیا۔ اودھ کے علاقوں میں انکی اس قدر مقبولیت بڑھ گئی کہ جہاں جاتے سینکڑوں لوگ ان کے ہمراہ ہوتے۔ اودھ کے امراء اور سجادہ نشینوں نے ان کی پذیرائی کی۔ صاحب مخزن احمدی نے لکھا ہے کہ غازی الدین حیدر کے نائب السلطت آغا میر نے ان کو لکھنؤ مدعو کیا اور یہ التماس کیا:

آپ کے وعظ و تزکیہ کی شہرت زمانے بھر میں پھیل

چکی ہے۔ اگر لکھنؤ کو عموماً او مجھ مشتاق و طلبگار کو خصوصاً تشریف آوری سے نوازیں تو یہ امر رشتہ برداری و مروت و عالی حوصلگی سے خالی نہ ہوگا۔

معتمد الدولہ کے اس خط سے سید احمد کی اودھ میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مورخین رقم طراز ہیں کہ نواب اودھ کی فوج میں بلند عہدوں پر فائز افراد بھی ان کے حلقہ عقیدت میں شامل تھے۔ مثلاً فقیر محمد خان رسالدار، عبد الباقی خان قندھاری۔ سید صاحب نے لکھنؤ میں ڈھائی ماہ قیام کیا اسوقت کا لکھنؤ اپنی رنگین مزاجی توہم پرستی اور لہو و لعب کے نقطہ عروج کا ہے مگر سید صاحب کی کاوش نے بہت سے لوگوں کے اندر معاشرہ کی عام روش سے کٹ کر اپنی عملی زندگی کی اصلاح کا جذبہ پیدا کر دیا۔ (لکھنؤ کے شعر و ادب کا معاشرتی و ثقافتی پس منظر۔ ص 123)

سید احمدؒ کے دوسرے تبلیغی دورے کا آغاز شوال 1236ھ (1821ء) تکیہ شاہ علم اللہ سے ہوا۔ ساتھیوں کی تعداد چار سو تھی۔ اس دور میں کچھ علماء نے فریضہ حج کی معافی کا فتوی دے رکھا تھا کہ پرتگیزوں کی بحری قزاقیوں کے باعث سفر مخدوش ہے۔ اس دورے کا مقصد اس غلط عقیدے کی اصلاح بھی تھا۔ (آپ ڈلمئو اور الہ ہوتے ہوئے ایک ماہ 26 روز میں بنارس پہنچے۔ 10 محرم 1236ھ کو بنارس سے دریا کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ زمانیہ ضلع غازی پور، غازی پور، بارہ، بکسر، بلیلا، چھپرا ہوتے ہوئے دانا پور پہنچے جہاں ایک ہفتہ قیام کیا۔ دانا پور سے دریائی سفر کر کے پٹنہ پہنچے۔ اس شہر میں دو ہفتہ قیام رہا۔ بہت لوگ مستفید ہوئے۔ پھر باڑھ، مونگیر، بھاگل پور قیام کرتے ہوئے مرشد آباد پہنچے۔ پھر ہگلی میں لنگر انداز ہوئے، جہاں ایک ہفتہ قیام رہا۔ پھر کلکتہ پہنچے جہاں دو ماہ قیام رہا۔ یہاں بنگال کے دور دراز کے آدمیوں نے حاضر ہو کر فیض حاصل کیا۔

ربیع الثانی 1237ھ میں کلکتہ سے حج کیلئے روانہ ہوئے۔ 28 شعبان 1237ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ اور پھر مکہ سے ہو کر 15 شوال 1238ھ کو مکہ سے واپس روانہ ہوئے اور 1239ھ کے شروع میں بمبئی پہنچے۔ بمبئی میں 18 روز قیام رہا۔ کثیر تعداد میں لوگوں نے بیعت کی۔ پھر بحری راستہ سے کلکتہ آئے جہاں ایک ماہ قیام کر کے رائے بریلی کو چل پڑے۔ اور دو سال دس ماہ بعد 29 شعبان 1239ھ۔29۔اپریل 1824ء کو وطن پہنچے۔

جناب علی میاں ندوی نے لکھا ہے:

بعض ایسے اسلامی احکام جو اس وقت معاشرت ورواج کے زور سے قطعاً منسوخ ہو گئے تھے اور جن کے دوبارہ رائج ہونے کی بظاہر کوئی امید نہیں تھی آپ (سید احمد) کی ہمت اور کوشش سے دوبارہ رائج اور مقبول ہوئے۔ بیوہ کا نکاح ثانی شرفاء وقت کی شریعت میں کفر وارتداد سے بڑھ کر تھا۔ جس کی سزا اکثر قتل اور ادنی سزا مقاطعہ واخراج تھی۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ تلواریں کھینچ گئی ہیں کشت وخون کی نوبت آ گئی ہے۔ بارہا گھر چھوڑ کر جان بچانی پڑی ہے اور اس جرم کا مرتکب کبھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا ہے۔ سید صاحب نے اس پر مسلسل وعظ فرمائے اور پھر خود اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کر کے اس کا دروزہ کھول دیا اور پھر آپ کے متبعین نے آپ کی پیروی کی اور نکاح بیوگان کی رسم جاری ہوگئی۔

اسی طرح حج علماء کی تاویلوں سے اس فقہی عذر کی بنا پر کہ راستے میں امن نہیں ہے اور سمندر بھی ایک مانع شرعی اور من استطاع إليه سبيلاً کے منافی ہے، اس لئے فرض نہیں ہے اور اس حالت میں حج کرنا فرمان خداوندی: لا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ کی مخالفت ہے۔ کچھ وقت کیلئے بالکل متروک یا بہت ہی کم ہو گیا تھا اور ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہو گیا تھا۔۔ مولانا عبد الحی اور مولانا اسماعیل نے اس کی فرضیت کا فتوی دیا اور منکرین کے دلائل رد کئے جس کی وجہ سے علماء میں کافی ہنگامہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے شاہ عبد العزیز سے دریافت کیا۔ شاہ صاحب نے شیخین سے اتفاق کیا اور ان کی بے حد مدح فرمائی۔ 1236ھ میں آپ نے سینکڑوں آدمیوں کے قافلے کے ساتھ بڑے اعلان اور شان و شوکت کے ساتھ حج کیا آپ کا یہ سفر، حج کی بہت بڑی تبلیغ اور اس کی فرضیت کا اعلان تھا۔ آپ جدھر جاتے تھے سینکڑوں آدمی آپ کے ہمراہ ہو جاتے تھے۔ اس سے لوگوں میں حج کا عام شوق پیدا ہو گیا اور اس کا دروازہ ہمیشہ کیلئے کھل گیا۔ (سیرت سید احمد شہید: 2/ 540۔541)

سید احمد اور ان کے جانشینوں کا سب سے اہل اور نتیجہ خیز کام بنگال میں احیائے اسلام اور اس وسیع مملکت کا برصغیر کے اصل اسلامی مرکزوں سے دوبارہ رشتہ جوڑنا تھا۔ آمدورفت کی شدید مشکلات، ہندو زمین داروں کا اثر م چیتنیہ کی وسیع ویشنو تحریک کی کامیابی اور نئے ہندوانہ بنگالی ادب کی وجہ سے یہ علاقہ شمالی ہندوستان کے اسلامی مرکزوں سے الگ تھلگ ہو گیا اور مسلمانوں پر ہندوانہ اثرات غالب آنے شروع ہوئے۔

انیسویں صدی میں اسلامی بنگال کی روحانی علیحدگی کا خاتمہ ہوا اور ہندوانہ اثرات کا جادو ٹوٹا۔ اس کا ایک سبب کلکتہ کا انگریزی دار الحکومت اور شمالی ہندوستان کی سمندری بندر گاہ ہو جانا تھا، لیکن اصل وجہ نئی اسلامی تحریکیں تھیں، جن میں سے سب سے بار آور کوششیں سید احمد کے معتقدین کی تھیں۔ ان میں سے پہلی (فرائضی) تحریک خالص مقامی نوعیت کی تھی۔ اس کا آغاز حاجی شریعت اللہ نے کیا۔ وہ بنگال کے ضلع فرید پور میں ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد (1802ء کے قریب) مکہ معظمہ چلے گئے اور کوئی بیس سال بعد واپس آئے۔ ان کے قیام حجاز کے دوران میں وہابی ایک زمانے میں حرمین پر قابض ہو گئے اور حاجی صاحب کو نجد کی اس اصلاحی تحریک سے باخبر ہونے کا موقع ملا۔ واپسی پر آپ نے دینی اصلاح اور ارشاد وہدایت کا بیڑہ اٹھایا۔ ہندوانہ رسموں کی مخالفت کی۔ فرائض کی ادائیگی اور گناہوں سے توبہ پر زور دیا جس کی وجہ سے ان کی تحریک کو فرائضی تحریک (اور ان کے پیرؤں کو توبار بھی) کہتے ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حاجی محمد محسن (عرف دودھو میاں) نے تحریک کو زیادہ منظم کیا۔ وہ 1819ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حج کو گئے اور والد کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ مشرقی بنگال کے مختلف حلقے بنائے۔ ان میں اپنے خلفاء نامزد کئے اور ہندو زمین دار جو مشرکانہ ٹیکس مسلمان مزارعوں سے وصول کرتے

تھے (مثلاً درگا پوجا کے موقع پر) ان کے خلاف مسلمانوں کو منظم کیا۔ ہندو زمینداروں نے بھی ان کے خلاف جھوٹے سچے مقدمات دائر کئے اور انہیں کئی دفعہ جیل جانا پڑا۔ انکی وفات 1860ء میں ہوئی۔

حاجی محمد محسن کی مساعی سے تحریک کا دائرہ وسیع ہو گیا، لیکن ان کے زمانے میں کئی الجھنیں بھی پڑیں اور فرائضی جماعت سے عام مسلمانوں کے اختلافات بڑھ گئے ، زیادہ اختلاف جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے متعلق تھا۔ فرائضی کہتے تھے کہ ہندوستان دار الحرب ہو گیا ہے اس لئے یہاں نماز جمعہ جائز نہیں ۔ عام مسلمان جمعہ اور عیدین پڑھتے تھے۔ اس اختلاف نے بسا اوقات ہنگاموں اور فسادات کی صورت اختیار کر لی ۔ فرائضیوں نے عام مسجدوں کو چھوڑ کر اپنے جماعت گھر قائم کئے اور دونوں جماعتوں میں کثرت سے تلخ مباحثے ہوئے۔

فرائضی تحریک نے فرید پور ڈھاکہ باریسال کی مذہبی زندگی میں ایک نئی حرکت پیدا کر دی ۔ لیکن اس تحریک کا ایک خاص مقامی رنگ تھا۔ اس نقص کی تلافی سید صاحب کی تحریک نے کی اور صرف چند اضلاع نہیں بلکہ تمام اسلامی بنگال کو متاثر کیا، بنگالے کی طرف سید صاحب کی خاص نگہ التفات تھی ۔ ان کے ایک مرید، ضلع نوا کھالی کے مولوی امام الدین تھے، وہ شاہ عبد العزیز کے شاگرد تھے۔ قیام لکھنؤ کے دوران میں سید صاحب سے بیعت کی اور پھر واقعہ بالا کوٹ تک مرشد کی خدمت میں حاضر رہے۔ سید احمد کے بنگالے سے تعلقات 1824ء میں زیادہ استوار ہو گئے ۔ جب وہ تین چار مہینے کلکتے میں مقیم رہے اور مشرقی بنگال کے اہل درد مسلمان ان سے آ کر ملے۔ انہوں نے اپنی مذہبی اور معاشرتی زبوں حالی بیان کر کے سید احمد سے درخواست کی کہ وہ اس علاقے میں تشریف لے جائیں۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ۔ یہ ملک بہت وسیع ہے۔ اگر برس دو برس ہمارا رہنا ہوتا تو ہم تمہارے ملک کا دورہ کرتے۔ اب جہاز کھلنے کا زمانہ قریب آیا۔ اب زیادہ ٹھہرنا نہیں ہو سکتا۔۔ لیکن آپ نے اپنے دو منتخب بنگالی خلفاء مولوی امام الدین اور صوفی نور محمد کے ذمہ یہ کام لگا یا کہ وہ بنگالی مسلمانوں کی دینی تعلیم کا انتظام کریں۔ (سیرت سید احمد شہید۔ علی میاں۔ ص 293)

حج کے بعد سید احمد جہاد میں مشغول رہے۔ اس دوران میں بھی بنگال کی طرف ان کی توجہ رہی اور انہوں نے مولوی عنائت علی عظیم آبادی کو چند آدمیوں کے ساتھ کارزار جہاد سے بنگال کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے کئی سال نہائت محنت اور جانفشانی سے ارشاد و ہدایت اور تنظیم مساجد کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولوی عنائت علی کا دائرہ عمل مرکزی بنگال کے اضلاع مالدہ، راجشاہی، جسور وغیرہ تھے۔ مشرقی بنگال میں سید صاحب کے جن مریدوں نے معرکے کا کام کیا۔ وہ نوا کھالی کے مولوی امام الدین اور چٹا گانگ کے صوفی نور محمد تھے۔ صوفی صاحب 1824ء میں سید صاحب کے قیام کلکتہ کے دوران میں ان کے مرید ہوئے۔ جہاد میں شریک ہوئے۔ پھر واپس آ کر چٹاگانگ میں ارشاد و ہدائت میں مشغول ہوئے ۔ 1858ء میں وفات پائی۔۔۔

حاجی شریعت اللہ حاجی محمد محسن مولوی کرامت علی جون پوری صوفی نور محمد چاٹگامی کے علاوہ اور متعدد اہل ہمت ہوں گے جنہوں نے اس احیائی اور اصلاحی تحریک میں حصہ لیا۔ اور بنگال کا نقشہ بدل دیا۔ (موج کوثر۔ ص 57۔61) ۔

سید احمد بریلوی بقول مسعود عالم ندوی اپنے آپ کو حنفی مع الترجیح بالحدیث الصحیح کہا کرتے تھے اور تحریک کا عام رجحان شاہ اسماعیل کی وجہ سے کھلی سلفیت اور صریح اہل حدیثیت کا تھا۔ ولائت علی، عنائت علی، اساطین ستھانہ، نواب اولاد حسن قنوجی، مولوی محمد علی رامپوری، مولوی حیدر علی رامپوری، مولوی عبد الحق نیو تنوی بنارسی، سب اہل حدیث تھے اور سید احمد شہید کے دونوں فاضل خواہر زادے مولانا سید عرفان اور مولانا سید مصطفی بھی صریح قسم کے اہل حدیث تھے۔ اس کے بعد اس خاندان میں مولانا سید محمد طلحہ ٹونکی اور مولانا سید ابو الخیر برق حسنی بھی خالص اہل حدیث تھے ۔ مگر حکیم عبد الحی لکھنوی کی تربیت صوفیا اور مقلدین کے ذریعہ ہوئی اور فرنگی محل کے اثرات انہوں نے قبول کئے ۔ انہوں نے قاری عبد الرحمن پانی پتی جو سید نذیر حسین کو خارجی، رافضی اور اسلام سے خارج قرار دیتے تھے اپنا امام و ممدوح بنایا۔ پھر اس خاندان کی منہج سلف سے دوری میں روزافزوں ترقی ہوتی رہی۔ (ماہنامہ التوعیہ ، دہلی ، اگست 1989ء)

شاہ محمد اسماعیل شہید

جناب غلام رسول مہر کی تحقیق کے مطابق شاہ اسماعیل 12 ربیع الاول 1193ھ (29۔ اپریل 1779ء) کو اپنی ننھیال پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شاہ عبد الغنی 16 رجب 1203ھ (12۔ اپریل 1789ء) کو فوت ہو گئے تو شاہ عبد القادر نے آپ کو اپنے دامن تربیت میں لے لیا اور بقول سر سید، بجائے فرزندوں کے پرورش کیا۔۔ شاہ عبد القادر کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا عقد شاہ رفیع الدین کے فرزند عبد الرحمن عرف مصطفی سے ہوا تھا۔ ان کے ہاں بھی صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام کلثوم تھا۔ شاہ عبد القادر نے کلثوم کا نکاح شاہ اسماعیل سے کیا۔ اس طرح شاہ اسماعیل، شاہ عبد القادر کے حقیقی بھتیجے، اور ان کی نواسی کے خاوند تھے۔

آپ نے شاہ عبد القادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد العزیز سے پڑھا۔ فہیم و ذکی تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں رسمی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ معقول کی بیشتر کتابوں پر حاشئے لکھے۔ ایک رسالہ منطق میں لکھا۔ اس میں شکل اول کے بعید الطبائع اور شکل رابع کے ابدہ البدیہات ہونے کا دعوی کیا۔ سر سید احمد کے بقول اس کے دلائل کی قوت ارسطو کو بھی معرض حیرت میں ڈال دیتی ۔۔ سہ شنبہ اور جمعہ کو شاہی مسجد میں وعظ فرماتے اور نماز جمعہ کے لئے ایسی کثرت ہونے لگی جیسے عید گاہ میں نماز عیدین کے لئے ہوا کرتی تھی۔ (تقاریر کے اثر سے) مسلمانوں کا آئینہ باطن مصفا اور مجلی ہو گیا اور وہ راہ حق میں اس طرح سرگرم ہوئے کہ ہر شخص بے اختیار چاہنے لگا کہ اس کا سر فی سبیل اللہ فدا ہو اور اس کی جان دین محمدی کے کام آئے۔ (آثار الصنادید بحوالہ تاریخ وسیاست، وحیات ولی ص 358۔ منقول از جماعت مجاہدین۔ ص 119)



بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الأمین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین.

NUTMEG

جائفل اور جاوتری کا استعمال

نظر ثانی: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر وصی اللہ عباس مدنی، فضیلۃ الشیخ انیس الرحمٰن، فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر طارق الرحمٰن مبارکپوری مدنی

جائفل، جائے پھل، جاوتری یا جلوتری جسے عربی میں جوز الطیب، جوزۃ الطیب اور جوز بو اء اور انگریزی میں NUTMEG کہا جاتا ہے جو پچیس قسموں پر، ناشپاتی سے مشابہ انتہائی دل کش مہک کا حامل ایک قسم کا پھل ہے جو کھانے کو نہایت ہی خوش بودار بلکہ خوش ذائقہ بھی بناتا ہے۔

تھوڑی سی مقدار میں جائفل اگر استعمال کیا جائے تو اس کے طبی و نفسیاتی فوائد کی فہرست طویل اور متاثر کن ہے کیوں کہ یہ مقوی اور مفرح ہونے کے ساتھ ساتھ خون کی گردش، زبانی و دماغی صحت، مدافعتی نظام اور تحسین ہاضمہ، بلڈ پریشر اور شوگر کو متوازن رکھنے میں مددگار، بے خوابی کا عمدہ معالج اور ڈپریشن سے نکلنے میں موثر و معاون ثابت ہوتا ہے۔ عام دردوں کو بالخصوص سوزش سے منسلک درد کو کم کرتا ہے، گردے کی پتھری کو پگھلانے اور جگر کی کارکردگی کو بڑھانے کا سبب بنتا ہے۔ علاوہ ازیں وائرس، فنگس اور انفیکشن کو مارتا ہے بلکہ پورے جسم کو Detoxifies کرتا ہے۔

اس خشک پھل کے شرعی حکم سے متعلق علمائے کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے:

امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ اور امام ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ (الزواجر عن اقتراف الکبائر: 1/ 354-355)، شیخ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ استا محترم شیخ سلیمان الرحیلی حفظہ اللہ اور بیشتر علما نے فرمایا کہ جائفل عمومی طور پر نشہ آور ہونے کی وجہ سے مطلقاً حرام ہے۔

کچھ معاصر اہل علم کا موقف ہے کہ کھانے کے ساتھ استعمال کی صورت میں یہ حرام نہیں لیکن اسے تنہا کھانا ممنوع ہے۔

بعض علما کا ماننا ہے کہ جائفل اگر مسکر و مفتر یعنی نشہ آور اور نقصان دہ مقدار میں استعمال ہونے لگے تو حرام ہے، کیوں کہ نبی ﷺ نے ہر مسکر و مفتر سے منع کیا ہے۔ (سنین أبي داود کتاب الأشربۃ باب ما جاء في السکر: 3686 بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، اس حدیث کو امام عراقی رحمہ اللہ اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے حسن بتایا ہے۔)

اور مفتر نشے کے مقدمے اور ذریعے کو کہا جاتا ہے۔

دیگر علما نے تفصیل بیان کی کہ جائفل کی کم مقدار جائز اور زیادہ مقدار حرام ہے کیوں کہ جائفل کی قلیل سی مقدار عقل میں فتور کا باعث بنتی ہے اور نہ ہی نشے کا سبب ثابت ہوتی ہے۔

امام ابن عابدین حنفی رحمہ اللہ (ت 1252ھ) نے ذکر کیا کہ "مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ (السنن الکبری للنسائي کتاب الأشربۃ باب تحریم کل شراب ۔۔۔: 5097 بروایت عبد اللہ بن عمرو انہا بسند صحیح) یعنی زیادہ مقدار میں جس چیز کا استعمال نشہ پیدا کردے تو اس کا کم مقدار میں استعمال بھی حرام ہوگا۔ یہ ضابطہ مائع یعنی سیال مسکر و نشہ آور کے ساتھ ہی خاص ہے اور جامد کا حکم الگ ہے اس حیثیت سے کہ جامد نشہ آور مقدار میں استعمال ہو تو حرام ہوگا لیکن قلیل (کم) مقدار میں اور نفع بخش استعمال ہو تو جائز ہوگا کیوں کہ اس کی حرمت خود اس (عین) سے وابستہ بذات خود اور بنفس نفیس نہیں بلکہ خارجی وجہ یعنی نقصان دہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ (حاشیۃ ابن عابدین: 6/ 457-458، عون المعبود للعظیم آبادی مع حاشیۃ ابن القیم شرح سنن أبي داؤد: 10/ 95 اور اس سے ملتا جلتا موقف مجمع الفقہ الإسلامی کا بھی ہے مجلۃ المجمع الفقہ الإسلامي: 8/ 1172 اس سے مشابہ موقف دیوبندی مکتب فکر اور دیگر اہل علم کا بھی ہے۔)

امام حطاب رعینی مالکی رحمہ اللہ (ت 954ھ) نے امام ابن فرحون رحمہ اللہ کے حوالے سے فرمایا کہ عمومی طور پر تھوڑی سی مقدار میں جائفل تناول کرنا جائز ہے اور وہ طاہر بھی ہے۔ (مواهب الجليل في شرح مختصر خليل: 1/ 90)

امام خوشی یا خراشی مالکی رحمہ اللہ (ت 1189ھ) نے فرمایا کہ قابل اطمینان فرد کو جائفل بیچنا جائز ہے۔ (شرح الخرشي على مختصر خليل: 1/ 84)

امام شہاب الدین رملی شافعی (ت 957ھ) نے فرمایا کہ قلیل مقدار میں ہو تو کھانا جائز اور کثیر مقدار میں ہو تو کھانا حرام ہے۔ (فتاوی الرملي: 4/ 71)

امام احمد المنقور حنبلی ریشمی (ت 1125ھ) نے فرمایا کہ عام طور پر جس تھوڑی سی مقدار میں نشہ پیدا نہ

ہوتا ہو وہ حرام نہیں اور وہ پاک بھی ہے۔(الفواکہ العدیدۃ في المسائل المفیدۃ:1 / 352)

امام و محدث شمس الحق یا شرف الحق عظیم آبادی دریمی(ت1329ھ)نے فرمایا کہ

جائفل میں نشہ نہیں۔۔۔لہٰذا کھانے اور دواؤں میں اس کا قلیل استعمال حرام نہیں۔(عون المعبود وحاشیہ ابن القیم شرح سنن أبي داود:10 / 96)

عالم ربانی و محدث دوراں علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (ت 1420ھ) نے کھانے کو لذیذ اور خوش ذائقہ بنانے کے لیے مصالحے (مسالے) کے طور پر کم مقدار میں استعمال کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں جانا۔(سلسلۃ الھدی والنور شریط:21، مقطع:7)

ملک شام کے عالم دکتور وہبہ زحیلی حفظہ اللہ نے کم مقدار میں جائفل کے استعمال میں کوئی حرج اور مانع نہیں سمجھا۔(الفقہ الإسلامي وأدلتہ:7 / 5266،4 / 5513)

مورخہ 22۔24 / مئی / 1995ء کو کویت میں منعقدہ طبی علوم سے متعلق اسلامی تنظیم کے آٹھویں اجلاس میں قرار داد منظور کی گئی کہ

ذائقہ کی بہتری کے لیے جائفل کو تھوڑی سی مقدار میں استعمال کرنے اور اسے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔(موسوعۃ صناعۃ الحلال:3 / 55)

دار الافتاء المصریہ دار الافتاء آسٹریلیا اور سعودیہ کے مشائخ میں دکتور خالد المصلح حفظہ اللہ و دیگر علما کا موقف بھی یہی ہے۔

شائد اس موقف کے لیے اصولی قاعدے "الْحُکْمُ یَدُوْرُ مَعَ عِلَّتِہٖ وَجُوْدًا وَعَدَمًا یعنی اگر نشہ پایا جائے تو منع اور اگر نشہ نہ پایا جائے تو اس کی اجازت" سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں امریکہ کی وزارت صحت سے وابستہ تحقیقاتی وتجزیاتی ادارہ National Institutes of Health نے بتایا کہ عام طور پر جائفل کا نشہ نہیں پایا جاتا ہے۔(Nutmeg Intoxication: A Case Report, Sureus. 2023 Sep)

نوٹ: ماہرین نے زیادہ مقدار کا ضابطہ پانچ سے دس گرام یا اس سے زیادہ بتایا ہے جب کہ کم اور معمولی مقدار ایک چٹکی سے چار گرام کے درمیان بتائی ہے۔

اس میں آخری تفصیلی موقف اقرب الی الصواب اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واللہ أعلم وصلی اللہ علی النبي وسلم

☆☆☆

اساتذہ کا ادب واحترام

احمد بن حمدون بیان کرتے ہیں کہ

”خلیفہ واثق کے استاد اور مؤدب ”ہارون بن زیاد“ واثق کے پاس آئے، تو خلیفہ نے ان کی خوب تعظیم و تکریم فرمائی، اور جب ان سے پوچھا گیا کہ: اے امیر المومنین یہ کون ہیں جن کی آپ نے اس قدر عزت افزائی فرمائی؟ تو واثق نے کہا:

یہ وہ شخص ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مجھے اللہ کا ذکر کرنا سکھایا اور رحمت الٰہی سے قریب کیا۔“

(تاریخ الخلفاء للسیوطی: 1/250)

بیان کیا جاتا ہے کہ

جب سفیان ثوری رحمہ اللہ کو امام اوزاعی رحمہ اللہ کے آنے کی خبر پہنچی تو آپ ان کے استقبال کے لیے نکل پڑے، یہاں تک کہ مقام ”ذی طویٰ“ میں جا کر ان سے ملے اور قافلہ کے اونٹوں کی قطار سے امام اوزاعی کے اونٹ کی لگام کھول کر اپنے کندھے پر ڈال لیا اور شتربان کے مثل آگے آگے چلنے لگے، چنانچہ جب بھی کسی بھیڑ سے ہو کر گزرتے تو فرماتے کہ

”شیخ کے لیے راستہ دو، شیخ کے لیے راستہ دو۔“

(تہذیب الأسماء واللغات النووی:1/ 300، وفیات الأعیان لابن خلکان:3/127)

محمد بن حمدون بن رستم بیان کرتے ہیں کہ

جب امام مسلم بن الحجاج رحمہ اللہ امام بخاری کے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ کو کہتے ہوئے سنا کہ:”اے استادوں کے استاد، محدثین کے سردار اور حدیث کی علتوں کے طبیب مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے پیروں کو چوم لوں۔“

(سیر أعلام النبلاء:12/432]

عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”میں جب بھی کسی سفر سے لوٹ کر ابو وائل کے پاس گیا انہوں نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔“ (سیر أعلام النبلاء:5/257)

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”میں عروۃ بن الزبیر کے دروازے پر آتا کچھ دیر بیٹھتا اور پھر اندر داخل ہوئے بنا لوٹ جاتا تھا، اگر میں چاہتا تو اندر جا سکتا تھا لیکن آپ کی تعظیم کی خاطر ایسا نہیں کرتا تھا۔“

(حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم الأصبہانی:2/23)

ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

احمد بن حنبل رحمہ اللہ کسی بیماری کی وجہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، اسی دوران آپ کے سامنے ابراہیم بن طہمان کا تذکرہ کیا گیا، تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ

”مناسب نہیں ہے کہ صالحین کا ذکر ہو اور ہم ٹیک لگا کر بیٹھے رہیں۔“

(الأنساب للسمعاني:2/38، الآداب الشرعیۃ والمنح المرعیۃ:2/24]

☆☆☆

